سیریز الغیم نضرة
دل بدلے تو زندگی بدلے
پارٹ-1
دل کیسے بدلتا ہے؟
نگہت ہاشمی
النور پبلیکیشنز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دل کیسے بدلتا ہے؟

استاذہ نگہت ہاشمی

دل کیسے بدلتا ہے؟

استاذہ نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

نام کتاب : دل کیسے بدلتا ہے؟

مُصنّفہ : نگہت ہاشمی

طبع اوّل : جون 2007ء

تعداد : 2100

ناشر : النور انٹرنیشنل

لاہور : 98/CII گلبرگ III فون 042-7060578-7060579

فیصل آباد : 103 سعید کالونی نمبر 1' کینال روڈ' فون: 041 - 872 1851

بہاولپور : 7A' عزیز بھٹی روڈ' ماڈل ٹاؤن اے' فون: 062 - 2875199

2885199' فیکس : 062 - 2888245

ملتان : 888/G/1' بالمقابل پروفیسرز اکیڈمی' بوسن روڈ' گلگشت

فون: 061 - 6223646 6220551

ای میل : alnoorint@hotmail.com

ویب سائٹ : www.alnoorpk.com

النور کی پراڈکٹس حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں:

مومن کمیونیکیشنز 48-B گرین مارکیٹ بہاولپور

فون نمبر 062 - 2888245

قیمت : روپے

ابتدائیہ

کیا دل بدلتا ہے؟

کیا دل بدل سکتا ہے؟

کس کا دل بدلتا ہے؟

یہ وہ سوالات ہیں جو شعور رکھنے والے ایسے انسان کے ذہن میں آتے ہیں جو دل بدلنے کا تمنائی ہو۔ دل میں تبدیلی آتی ہے یہ ایک حقیقت ہے لیکن یہ دل میں تبدیلی نہیں آتی، تبدیلی وہیں آتی ہے جہاں کوئی بدلنا چاہتا ہے۔

آپ بدلنا چاہتے ہیں تو جان لیجے کہ دل پر کچھ اثرات باہر کی دنیا سے ہوتے ہیں اور کچھ اندر کے معاملات ہوتے ہیں۔ باہر سے اثر انداز ہونے والے عوامل کے ساتھ اگر اندر کی بات match کر جاتی ہے تو تبدیلی جلدی آجاتی ہے۔ یہ تبدیلی مثبت بھی ہو سکتی ہے اور منفی بھی۔ مثبت تبدیلی آئے تو انسان نیکیاں کرتا ہے اور منفی تبدیلی آئے تو انسان برائیاں کرتا ہے۔ اس کے لیے ضرورت ہوتی ہے کہ انسان پہلے نیکی اور بدی میں فرق کو جانتا ہو۔

نیکی کا فیصلہ کر کے نیکی پر ثابت قدمی کیسے آتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ دل ایک مقام پر کہیں ٹھہرتا نہیں، اس لیے مسلسل دل کی نگہداشت کی ضرورت ہے اور دل کو اندرونی مددگاروں

کی بھی ضرورت ہے اور بیرونی مددگاروں کی بھی۔ بیرونی طور پر اگر فرشتے اور فرشتہ صفت انسان، ربّ کی طرف بلانے والے انسان مدد کریں تو ان کا خیر اُبھرتا ہے اور انسان نیکی کو اپنا لیتا ہے اور بیرونی طور پر اگر شیطان اور شیطان صفت انسان اگر ربّ کے راستے سے دور ہٹانا چاہیں تو انسان بدی کو اپنا لیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دل کو مددگار چاہئیں، دل مددگاروں سے بدلتا ہے اور انسان اگر بدلنے کا فیصلہ کر لے تو دل بدل جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم یہ دیکھیں گے کہ دل کے اندر آنے والی تبدیلیاں کس طرح وقوع پذیر ہوتی ہیں؟ کچھ اس کی مزید extention اور خاص چیز جو اس میں ہے وہ یہ ہے کہ وہ کون سا خوش نصیب دل ہے جو نیکی پر ثابت قدم رہتا ہے؟ اور یہ کہ کون سا دل ہے جس کے حالات بدلتے رہتے ہیں، جو کہیں رُکتا نہیں؟ سچی بات تو یہ ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمائی کہ

''دل اللہ تعالیٰ کی دو کریم انگلیوں کے درمیان ہے، اللہ تعالیٰ جیسے چاہتے ہیں اسے اُلٹتے پلٹتے رہتے ہیں''۔ (صحیح مسلم:6750)

اس کا مطلب یہ ہے کہ تبدیلی بڑی تیزی کے ساتھ آتی ہے، کتنی تیزی کے ساتھ؟ اس کو اپنی زندگی میں observe کرتے ہوں گے کہ ایک خیال ابھی پورے طور سے آیا نہیں اور اگلا، اگلا، اگلا۔ ابھی ایک بات ذہن میں آ ہی رہی ہوتی ہے کہ دوسری بالکل اس کے opposite بات بھی آجاتی ہے۔

آپ نے کبھی feel کیا ہوگا کہ نیکی کے خیال کے ساتھ ہی نیکی سے رکنے کا خیال بھی آتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ کبھی نیکی کا خیال بھی آرہا ہے اور نیکی سے رکنے کا خیال بھی، کون سی powers ہیں، کون سی قوتیں ہیں جو دل کے اوپر عمل کرتی ہیں؟ سادہ سی بات ہے کہ انسان امتحان میں ہے اور اس امتحان کے لیے اللہ تعالیٰ نے شیطان کو بھی مہلت دے رکھی

ہے۔ شیطان اس دل پر اپنے خیالات ڈالتا رہتا ہے جن کو ہم وسوسے کہتے ہیں، برائی پر آمادہ کرنے کے لیے وہ اپنی طرف سے زور لگاتا رہتا ہے۔ دوسری طرف اللہ کے فرشتے انسان کو نیکی کی طرف آمادہ کرتے رہتے ہیں۔ میں نے لفظ استعمال کیا 'فرشتے' یعنی وہ ایک نہیں کئی ایک ہیں۔

آپ دیکھیے کہ دل کی صورتحال کیا ہے؟ اگر ہم Physically دل کو تصور کریں کہ ایک فرشتہ نیکی کا خیال دل میں ڈالتا ہے، پھر دوسرا، پھر تیسرا، ایک وقت میں کتنے ہی نیکی کے خیال انسان کے اندر آگئے! پھر انسان کے لیے ان نیکیوں کے درمیان ترجیح دینا کہ کون سی نیکی پہلے کرلوں اور کون سی بعد میں، تھوڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شیطان انسان کے دل میں برائی کا خیال ڈالتا ہے تو وہ بھی ایک نہیں کئی ایک، ایک برائی، پھر دوسری، پھر تیسری، پھر چوتھی، کتنی ہی طرف سے انسان پر حملے ہوتے ہیں۔ پھر انسان کبھی اس برائی کے نرغے میں آجاتا ہے، کسی ایک برائی پر اس کا دل جم جاتا ہے۔ یہ دل کا جماؤ ہے۔ دل کیسے جمتا ہے؟ اس کے جمنے کو بھی دیکھنا ہے اور دل کیسے بدلتا ہے؟ اس صورتحال کو بھی دیکھنا ہے۔

پھر آپ دیکھیے کہ ابھی تو نیکیوں اور بدیوں کے درمیان کشمکش ہے۔ تیسری ایک اور صورتحال آجاتی ہے نیکی اور بدی کے درمیان:

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر

یہ جو اندر کی صورتحال ہے، سامنے والے کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ اندر اندر کیا جنگ جاری ہے؟ لیکن اندر اندر یہ جنگ جاری رہتی ہے اور اس حالتِ جنگ میں ایک انسان کو اللہ تعالیٰ نے کیا صلاحیتیں عطا کی ہیں؟ کیسے وہ حالتِ جنگ میں اپنا دفاع کرسکتا ہے؟ کیسی قوتیں ہیں جو اس کی مددگار ہوتی ہیں اور پھر وہ کس طریقے سے اپنا دفاع کرسکتا ہے؟ یقیناً یہ ساری باتیں اس لائق ہیں کہ ہم ان پر غور وفکر کریں، لہٰذا ہم درجہ بدرجہ ایک کے بعد ایک بات

کریں گے۔سب سے پہلی بات ہے قلب کی حالت کی تو قرآنِ حکیم میں آتا ہے ربّ العزت نے ارشاد فرمایا:

وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ (الانعام:110)

''اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو''۔

یہاں سے کیا پتہ چلتا ہے کہ دل انسان کا ہے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں سے یہ دل کسی طرف پھر جاتا ہے۔مثلاً دل کیسے پھرتا ہے؟ شیطان کو قوت بھی تو اللہ تعالیٰ نے دی، اختیار دیا اللہ تعالیٰ نے اور اسی طرح جو فرشتے انسان کے لیے مددگار ہوتے ہیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے قوت دی۔ یہ دل ایک حالت پر ٹھہرتا نہیں ہے۔اس کا ایک حالت پر ٹھہرنا، یہ سب سے مشکل کام ہے اور انسان سے جو چیز چاہیے وہ کیا ہے؟ کہ انسان سچائی پر، نیکی پر، ایمان پر ثابت قدم ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے کہ دل کی حالت ایک جیسی نہیں رہتی۔جیسے وقت بدلتا ہے ایسے ہی دل کی حالت بہت تیزی سے بدلتی ہے،شاید وقت کے بدلنے کو ہم اتنی تیزی کے ساتھ محسوس نہ کریں جتنی تیزی کے ساتھ دل کی حالت بدل جاتی ہے۔صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،رسول اللہ ﷺ یہ قسم کھایا کرتے تھے:

لَا وَمُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ (بخاری)

''نہیں قسم ہے دلوں کے بدلنے والے کی''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ دل بدلتے ہیں اور بدلنے کا اختیار ربّ کو ہے۔وہ دل کا بدلنے والا ہے۔اسی لیے آپ ﷺ کثرت کے ساتھ یہ دُعا مانگا کرتے تھے:

يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ! ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِيْنِکَ (ترمذی:3257)

''اے دلوں کے بدلنے والے! میرے دل کو اپنے دین (اپنے دیئے ہوئے لائف اسٹائل) پر ثابت قدم رکھے''۔

مشکل کام ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں ہے۔اس کے لیے کوشش چاہیے اور کوشش ہمیشہ commitment کی محتاج ہوتی ہے۔آپ کی جیسی commitment ہوگی، جتنا پختہ ادارہ ہوگا اتنی ہی اچھی کوشش ہوگی۔اہم بات کرنی ہے جس کو ہم زندگی میں ignore کر دیتے ہیں، اسلام کے بنیادی اُصولوں میں سے ہے اس لیے یاد رہتی ہے لیکن موقع پر نہیں، موقع پر بہت ہی کم، بہت سادہ، بہت گہری اور بہت ہی بڑی بات ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (بخاری:1)

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔

نیت کا تعلق اعتقاد سے ہے، نیت کا تعلق انسان کے میلان سے ہے، انسان کے دل کے اندر آنے والے خیال سے ہے کہ کوئی بھی دل بدلتا ہے تو کیسے؟ ہم کہتے ہیں کہ دل کا جو عمل ہے یعنی دل جو کچھ سوچتا ہے وہی انسان کی کوشش میں نظر آتا ہے۔یعنی دل کا عمل کیا ہے؟ نیت، ارادہ، اور یہ آخری عمل ہے اور جب نیت یا ارادہ ہو جائے تو انسان کا عمل بدل جاتا ہے لیکن نیت کے پیچھے تو بہت کچھ ہے۔ہم اصل میں جس چیز کو فراموش کرتے ہیں وہ نیت کے پیچھے ہونے والا کام ہے۔ایسا سب لوگ محسوس کرتے ہیں کہ ایک بار کسی نے اپنی زندگی میں خالص انداز میں نماز پڑھنے کی نیت کر لی، اب آگے کا کیا سلسلہ ہے؟ بغیر نیت کے نمازیں پڑھتے جاؤ۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ پڑھنے کا ارادہ نہیں ہوتا، کمزور، موہوم ارادہ یا ارادے کی position یہ ہوتی ہے کہ عادت کو ہم ارادہ سمجھتے ہیں کہ نماز کی عادت ہوگئی، جونہی ٹائم ہوا تو ہمیں خیال آیا کہ نماز پڑھنی ہے، اب خیال سے نماز پڑھ لی لیکن خیال کے اوپر ہم نے کوئی کام نہیں کیا، اس پر ہم نے کوئی غور وفکر نہیں کیا، خیال کی جڑیں اندر گہری نہیں

ہیں۔ہم نے خیال پر نماز ادا کرلی اور خیال ارادہ بنا ہی نہیں، ایسی نیت نہیں بنی جس کی وجہ سے کوشش بہتر ہو جائے۔ میں نے ایک چھوٹی سی مثال نماز کے حوالے سے اس لیے دی کہ اکثر لوگ یہ محسوس کرتے ہوں گے کہ نمازیں بے اثر ہو گئیں ہیں، اس طرح کا اثر نہیں رکھتیں جس کی وجہ سے زندگی بدل جائے تو دراصل اس کے پیچھے وہ کوشش نہیں ہے۔خیال کی وجہ سے نماز ادا کی جاتی ہے۔ پختہ ارادے، درست نیت، اچھی اور زیادہ کارآمد نیت کی وجہ سے نماز کم ادا کی جاتی ہے۔

اسی طرح زندگی میں دیکھیے کہ آپ جتنے بھی کام کرتے ہیں، ایسا لگتا ہے جیسے سوئے سوئے ہی کرلیتے ہیں، جیسے کوئی نیند میں چل لے تو وہ چل بھی لیتا ہے حتیٰ کہ نیند میں باتیں بھی کرلیتا ہے اور حتیٰ کہ نیند ہی نیند میں کچھ کھا پی بھی لیتا ہے تو ایسا ہی نہیں محسوس ہوتا جیسے ہماری ساری زندگی سوئی ہوئی ہے،سوئے سوئے سارے کام ہو رہے ہیں، شعوری طور پر نہیں یعنی شعور اس طرح سے الرٹ نہیں ہے، ایکٹو نہیں ہے جس کی وجہ سے نہ دل کی صورتحال بدلتی ہے، نہ عمل بدلتا ہے اور زندگی نہیں بدلتی تو یہ جو دل کی حالت ہے اس کی تبدیلی بھی ناگزیر ہے اور اچھی تبدیلی کے بعد ثبات بھی ضروری ہے لیکن یاد رکھئے گا اگر آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ایک دفعہ کی کوشش مستقل ثابت قدمی کے لیے کافی ہے تو یہ ثبات چند لمحے کے لیے ہوگا۔ایک دفعہ کی کوشش کچھ لمحے کے لیے کام دے دے گی، اس کے بعد پھر دوبارہ مستقل کوشش کی ضرورت پیش آئے گی، اس کے بغیر آپ اتنی کوالٹی کا کام نہیں کرسکتے، اس پوزیشن میں نہیں آسکتے۔اس کی کیفیت، اس کی حالت بدل جائے گی۔

ذکر کے حوالے سے ہم لوگ بات چیت کررہے تھے کہ ایک ذکر دل کو catch کرتا ہے، اس کے اثرات انسان کے اوپر مرتب ہوتے ہیں، زندگی درست ہوتی ہے اور ایک ذکر ایسا ہوتا ہے جس کے اثرات انسان کے اوپر مرتب نہیں ہوتے۔صرف ایک عمل ہے زبان

چلتی چلی جاتی ہے، تسبیح کے دانے گرتے جاتے ہیں یا ہاتھوں پہ حرکت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے لیکن دل شامل نہیں ہوتا۔

مثلاً سبحان اللہ وبحمدہ کے حوالے سے دیکھئے کہ جب یہ ذکر کرتے ہیں تو جو معمول ہے وہ یہی کہ تعداد پوری کرنی ہے لہٰذا تعداد پوری ہوئی اور ہم بری الذمہ ہو گئے کہ ذکر کرلیا۔ اتنا تعلق تو ہمارے دل، ہمارے ذہن اور ہمارے عمل کا آپس میں جڑا ہوا ہوتا ہے کہ ایک کام جو ذمہ ہے وہ پورا کرلیا لیکن اللہ تعالیٰ نے کیوں ذمہ داری ٹھہرایا؟ اس سے ملنا کیا تھا؟ لینا کیا تھا؟ اس کے بارے میں غور وفکر ہی نہیں کیا یعنی ایک ہی خیال تھا کہ ذکر کر لیں، اب اس خیال میں اتنی قوت ہی نہیں ہے۔ خیال کی وجہ سے فوراً ذکر کرلیا لیکن ذکر کرنے سے لینا کیا ہے؟ یہ سوچا ہی نہیں۔ پختہ ارادہ، پختہ نیت اور جس انداز کی نیت ہوتی ہے اسی طرح کی value ذکر کو ملے گی۔ جیسے کوئی بھی کام کرنا ہے، جیسی آپ کی نیت ہوگی عمل کا وہی درجہ ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی عمل ہمارا زیرو پہ ہی ہو اور کوئی عمل ہمارا 90% پہ ہو، کوئی عمل ہمارا 50% پہ ہو۔ ایک ہی عمل ہے ذکر کرنا، بظاہر ایک زبان نے وہ الفاظ کہنے ہیں لیکن باشعور انسان سے صرف لفظوں کی demand نہیں ہے، لفظوں کے پیچھے اُس کے شعور کو بھی کام کرنا چاہیے۔

جب ایک انسان الفاظ بولے تو الفاظ کے ساتھ اس کا دل کیسے شامل ہوسکتا ہے؟ مثال کے طور پر آپ دیکھئے کہ: سبحان اللہ 'اے اللہ! تو پاک ہے'۔ کس چیز سے پاک ہے اللہ؟ ذرا پوچھیں تو سہی اپنے آپ سے کہ اللہ تعالیٰ کس چیز سے پاک ہے؟ کس وجہ سے میں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کر رہی ہوں؟ اور آپ جب غور وفکر کریں گے تو آپ کو پتہ لگے گا کہ کسی ایک بات کو بھی پیشِ نظر نہیں رکھا، بس یونہی اجر کے حصول کے لیے ایک بات کہہ دی۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ پھر دل کی حالت جو اس ذکر سے بدلنی ہے وہ کیسے بدلے

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لِكُلِّ شَيْءٍ صَقَالَةٌ وَّصَقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللهِ (ابن ابی الدنیا)

''ہر شے کی کوئی نہ کوئی صفائی ستھرائی کرنے والی چیز ہے اور دل کی صفائی ستھرائی کرنے والی چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے''۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر کو تو ہم نے دل کی حالت کے بدلنے کے لیے استعمال ہی نہیں کیا، ہم نے تو اسے زبان کی زینت بنایا ہے تو زبان پر تو فرق آئے گا،ٹھیک ہے زبان ذکر کر رہی ہے اس کا اجر بھی ملے گا، اتنا ہی جتنا زبان نے ادا کیا۔ زبان کا فعل ہے لیکن پیچھے باشعور انسان کا فعل شامل نہیں ہے۔

ایک انسان نے جب سبحان اللہ کہنا ہے تو اپنے قریبی حالات سے اگر وہ شروع کر لیتا ہے، مثال کے طور پر صبح کے وقت ذکر کرنے والا اگر تھوڑی سی توجہ کرے تو اس کو فوراً احساس ہوتا ہے کہ ابھی میں تو نیند سے اٹھا ہوں اور اللہ تعالیٰ نیند سے پاک ہے۔ اب آپ اپنی حالت دیکھئے کہ فوراً دل کی کیفیت بدل جائے گی کہ میں عاجز، بے بس، مخصوص حالات میں گھرا ہوا لیکن میرا ربّ کتنا بڑا، اس نے کبھی نیند لی ہی نہیں، اس کو نیند کی کبھی ضرورت پیش ہی نہیں آئی اور پھر آپ دیکھیں کہ نیند کے بعد کی جو کیفیت ہوتی ہے انسان اتنا active اور alert نہیں ہوتا اور عام طور پر جب ایسے ہی مسلسل ذکر کیا جائے بغیر سوچے سمجھے تو لوگوں پر غنودگی طاری ہوتی ہے، نیند کی سی کیفیت ہو جاتی ہے جبکہ ربّ کی ذات!

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (البقرہ:255)

''نہ اسے نیند آتی ہے نہ اونگھ''۔

وہ اونگھ سے بھی پاک ہے اور نیند سے بھی۔ آپ دیکھیں کہ انسان کا شعور involve ہوتا ہے تو اُس کا دل بچھتا چلا جاتا ہے، واقعی اللہ تعالیٰ کی پاکی کا انسان کو احساس ہوتا ہے،

واقعی وہ قابلِ تعریف ہے، وہ کبھی سویا ہی نہیں، اسے اونگھ نہیں آتی اور ہمیں اونگھ آتی ہے اور ہم ایک نیند کے بغیر اپنے آپ کو active کر نہیں سکتے۔ آپ دیکھیں کہ جو انسان چل پھر کر ذکر کرتے ہیں خاص طور پر صبح کے اذکار، تسبیحات کرتے ہیں، صبح کے وقت جب چلنے کا آغاز کرتے ہیں تو اتنے زیادہ active نہیں ہوتے، ٹانگوں سے چلنا چاہتے ہیں لیکن ٹانگیں چاہتی ہیں کہ ابھی ہمیں تھوڑا سا rest کرنے کی مہلت دی جائے۔ اب عین اس موقع پر ایک انسان اگر سوچے کہ اللہ تعالیٰ ایسی ساری کیفیات سے پاک ہے، وہ کبھی سست نہیں پڑتا، کبھی اس کو سستی لاحق نہیں ہوئی، اگر انسان اپنے قریب ترین سے comparison کرے تو اُسے زیادہ اچھی سمجھ آتی ہے۔

جہاں جہاں انسان اپنی کمزوریوں کو پیشِ نظر رکھتا جاتا ہے وہاں وہاں وہ زیادہ اچھا اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے اور ان کیفیات پہ اللہ تعالیٰ قابو دے دیتے ہیں، یعنی انسان ساتھ ساتھ اگر اللہ تعالیٰ سے دل میں دُعا کرتا جائے کہ یا اللہ! تو تو پاک ہے، تیری ذات تو بے نیاز ہے، تعریف تو تیرے لیے ہے اور میں تیرا کمزور بندہ، میں کس حالت میں ہوں! مجھے اس حالت سے نکال لیجئے اور اللہ تعالیٰ نکال لیتے ہیں۔ یہ ایک دو طرفہ عمل ہے۔ جس وقت اللہ تعالیٰ نکالتے ہیں انسان کا دل اور زیادہ جھک جاتا ہے۔ ذکر کرتے ہوئے بندہ بھی involve ہے، ربّ کا ذکر بھی ہو رہا ہے، حدیث بھی یعنی دل کی بات بھی کہی جا رہی ہے اور ربّ پورا بھی کرتا چلا جا رہا ہے، دل جھک رہا ہے، دل شکر ادا کر رہا ہے۔ یہی تو ذکر ہے۔ یہاں ایک خیال محض خیال نہیں ہے، خیال کی repetition بھی ہے۔ بار بار خیال آئے تو انسان کی طبیعت اس کی طرف جھک جاتی ہے، پھر وہ چیز انسان کے دل کے اندر جم جاتی ہے۔ اسی کو اعتقاد کہتے ہیں، یہی یقین ہے اور یہی ایسا یقین ہے جس سے ارادہ بنتا ہے۔

ارادہ جتنا زیادہ strong ہوتا ہے، جتنی اس میں پختگی ہوتی ہے نیت کی اصلاح ہوتی

چلی جاتی ہے، نیت اس طریقے سے خالص ہوتی چلی جاتی ہے۔ اتنی ہی کوشش بھی بہتر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اگر ہم اپنی نیت کو خالص نہیں کریں گے، ارادے کو مضبوط نہیں کریں گے تو ہمارا تو عمل متاثر ہو جائے گا۔ اس لیے دل کی حالت کو بہتر کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے کیونکہ دل بدلتا ہے تو عمل بدلتا ہے۔

اب ہم ایک اور مثال دیکھیں گے۔ دیکھئے بہت ساری چیزیں جن کی Basic Information اڑتی اڑتی ملتی ہے۔ ہمارے ہاں پرابلم یہ ہے کہ لوگ casual ملنے والی information کو ایسے ہی علم سمجھ لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اسلام کے بارے میں انفارمیشن اور معلومات تو almost سارے muslims کو ہیں لیکن اسلام کا علم سب کو نہیں ہے کیونکہ اسلام کا جو علم ہے وہ اللہ کی کتاب میں ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں ہے، حدیث میں، سیرت کی کتب میں، پھر ان سے اخذ کردہ جو کتابیں ہیں ان میں ہے۔ اب آپ دیکھئے کہ محض ایک اڑتی ہوئی انفارمیشن کو، ایک اڑتے ہوئے خیال کو عام افراد یہ وزن دیتے ہیں کہ اس سے ہمارا عمل بدل جائے گا تو عمل کیسے بدلے؟

جیسے ایک خیال ہے، خیال بار بار آئے تو یہ دل کی بات ہے۔ آپ جسے دل کی بات کہتے ہیں اس کو اصطلاحاً حدیثِ نفس کہتے ہیں۔ ایک تو حدیثِ رسول ﷺ ہے اور ایک حدیثِ نفس ہے۔ پہلا step ہے خیال۔ دوسرا step ہے میلانِ طبع۔ میلانِ طبع سے مراد یہ ہے کہ انسان کی طبیعت اس خیال کی طرف جھک گئی ہے، یعنی انسان کے اندر وہ خیال راسخ ہو گیا۔ یہ دوسرا Step ہے۔ میلانِ طبع کیسے بنتا ہے؟ بار بار خیال کے آنے سے۔

تیسرا step ہے اعتقاد۔ اعتقاد کے اندر جو original حروف ہیں، عین، قاف اور دال، یہ اس کا روٹ ہے اور اگر اس کو دیکھیں تو یہ عقد ہے۔ عقد کس کو کہتے ہیں؟ گرہ کو۔ عقد کے حوالے سے تو ہماری سوسائٹی میں لوگ کافی conscious ہیں، عقدِ نکاح کے حوالے

سے تو عقد سے کیا مراد ہے؟ یعنی ایک گرہ لگ گئی اور کہاں؟ ایک انسان کے ذہن اور آنے والے خیال کے درمیان۔ جب گرہ لگ جاتی ہے تو وہ چیز پختہ ہو جاتی ہے، اسی کو یقین کہتے ہیں۔ یہ تیسرا step ہے یقین کا، اعتقاد کا۔ یہ process of change ہے۔ change کیسے آتی ہے؟ آپ تبدیل ہونا چاہتے ہیں تو تبدیلی کے process کو بھی جاننا چاہیے کہ تبدیلی کیسے آتی ہے؟ اب آپ دیکھئے کہ یہاں کوئی تبدیلی باہر نظر نہیں آ رہی۔ no one knows کہ اندر کیا ہو رہا ہے؟ لیکن change آ چکی ہے۔ بات اعتقاد تک پہنچ گئی۔

اب چوتھے step پر کیا چیز آتی ہے؟ پختہ ارادہ جس کو آپ اصطلاح میں نیت کہتے ہیں، عزم کہہ لیں، پختہ ارادہ کہہ لیں، نیت کہہ لیں۔ آپ دیکھئے یہاں بھی کسی کو کوئی پتہ نہیں، اندر اندر آپ یا آپ کا اپنا بچہ یا کوئی انسان کیا نیت کر چکا ہے؟ کوئی پتہ نہیں ہے۔ کسی کو کوئی خبر نہیں حالانکہ change آ چکی، ابھی اس کا اظہار نہیں ہوا لیکن change آ گئی۔ یہ change باہر نظر نہیں آئی۔ change کب باہر نظر آتی ہے؟ جب انسان جس چیز کا اس نے ارادہ کر لیا، اس پر عمل کر لیتا ہے۔

اب آپ مجھے یہ بتائیں کہ یہ چار steps ہیں جن کا تعلق ہے قلب سے ہے اور عمل ایک باہر نظر آنے والی چیز ہے تو زیادہ توجہ کس کے اوپر دینی چاہیے؟ ہم کہتے ہیں عمل نہیں بدلتا، اس لیے کہ دل نہیں بدلتا اور دل کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں دیتا۔ دل بدلیں گے تو عمل بدل جائے گا انشاء اللہ۔ یہ بات صرف اپنی ذات کے لیے نہیں، انسانیت کے لیے سمجھیں اور انسانیت میں سے سب سے پہلا حق کس کا ہے؟ اللہ ربّ العزت فرماتے ہیں:

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم:6)

”اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ“۔

اب ہم دیکھیں گے کہ کوئی خیال کیسے آتا ہے؟ مثال کے طور پر آپ کو اب سے پہلے

تک زندگی میں کبھی خیال ہی نہیں آیا تھا کہ اللہ کا کلام پڑھنا چاہیے۔ کیا خیال آیا تھا؟ نہیں اور اگر ایسی ہی صورتحال رہتی اور سب لوگ اپنی اپنی جگہ رہتے تو کیا خیال آ سکتا تھا؟ نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک خیال اگر شیطان کی طرف سے آتا ہے، برائی کا خیال تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے بندوں کی help چاہیے، help کس لیے چاہیے؟ کہ لوگوں کو احساس دلا دیں، ان کے اندر یہ خیال ڈال دیں کہ مالک کا تعلق ضروری ہے، ان کے اندر یہ خیال ڈال دیں کہ جنت میں ایک گھر بنانا ہے، لوٹ کر جانا ہے، گھر بنانا ہے، ان کے اندر یہ خیال ڈال دیں کہ دوزخ کی آگ سے بچنا ہے۔

یہ خیال سب سے زیادہ قدر و قیمت والا ہے لیکن یہ ذہن کے اندر کہاں سے آئے گا؟ یہ خیال internal نہیں external ہوگا۔ Internally اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوت دی ہے، کچھ چیزیں یہاں موجود ہیں جن کو باہر کی چیزیں affect کرتی ہیں۔ ہم یہ بھی دیکھ لیتے ہیں کہ یہاں help کرنے والے کون سے factors موجود ہیں؟ کون سی ایسی چیزیں موجود ہیں؟ مثال کے طور پر انسان کے پاس عقل موجود ہے، برائی بھلائی کی شناخت کرنے کا مادہ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتے ہیں:

فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰاهَا (الشمس:8)

''پھر انسان کو اس کی نیکی اور بدی الہام کر دی''۔

فطری الہام ہے کہ فلاں چیز اچھی ہے اور فلاں بری ہے۔ پھر آپ دیکھیے یہ دو چیزیں ایسی ہیں جو انسان کو help کرتی ہیں۔ یہ internally موجود ہیں لیکن جب تک external factor دو نہیں ہوں گے اس وقت تک internal change نہیں آئے گی، آ ہی نہیں سکتی کیونکہ عقل کو شیطان capture کر لیتا ہے، انسان کو پتہ نہیں چلتا اور برائی بھلائی کی شناخت ختم ہو جاتی ہے، gradually برے ماحول کی وجہ سے، شیطان کی کارفرمائیوں کی

وجہ سے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے بیرونی طور پر انسانوں کی مدد کی۔کس طرح سے؟انبیاء علیہم السلام بھیجے اور کلام بھیج دیا،کتاب بھیج دی تواب خیال بدلے گا توانبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے،اللہ تعالیٰ کے کلام سے،خیال اس کے بغیر تبدیل نہیں ہوسکتا۔اس وقت تبدیلی لانے کے لیے جس چیز کی ضرورت ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔کلام کے بغیر اگر کوئی کہتا ہے کہ change آجائے گی تووہ خدا کے دیئے ہوئے نظام کے خلاف اپنا نظام پیش کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ یہی معاملہ کیا۔میں نے یہ بات سادگی سے آپ کے سامنے رکھ دی کہ دیکھیے یہ دو internal factors ہیں،یہ دو چیزیں موجود ہیں اور دو بیرونی طور پر اللہ تعالیٰ نے ہمارے مددگار بنادیئے،انبیاء علیہم السلام اور کتاب۔ہر دور میں کتابیں بھی آتی رہیں، نبی بھی آتے رہے اور انسانوں کے خیالات کوتبدیل کرنے کے لیے کوششیں کرتے رہے۔

اس خیال کی تبدیلی کے لیے اگر آپ چاہتے ہیں کہ میرا عمل بدل جائے یا آپ چاہتے ہیں کہ پوری سوسائٹی کا عمل بدل جائے،اگر آپ چاہتے ہیں کہ عمل میں تبدیلی آئے تو دل بدلنا ہوں گے اور دل کی تبدیلی کے لیے علم ناگزیر ہے۔کون سا علم؟ان دو چیزوں کا علم:

1۔قرآنِ حکیم جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

2۔حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

کیونکہ وحی ہماری پاس دوصورتوں میں محفوظ ہے،وحی متلو جو تلاوت کی جاتی ہے یعنی قرآنِ حکیم اور وحی غیر متلو جو تلاوت نہیں کی جاتی یعنی حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں جو کچھ کہا،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کے بارے میں رب نے گواہی دی ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ط اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم:3،4)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرضی سے لب کشائی نہیں کرتے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو وہی بات کہتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی جاتی ہے''۔

جو کچھ آپ نے کہا چاہے وہ قرآنِ حکیم میں موجود نہیں ہے وہ بھی وحی ہے، وہ بھی اپنی مرضی نہیں۔ لفظ رسول اللہ ﷺ کے ہیں لیکن پیغام اللہ تعالیٰ کا ہے۔ مثال کے طور پر آپ نماز ادا کرتے ہیں تو کیا نماز کا طریقہ قرآنِ حکیم میں پاتے ہیں؟ آپ کو confidence ہے کہ یہ نماز درست ہے؟ اسی اعتبار سے ہوسکتا ہے کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ نے بتائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ (صحیح بخاری: 631)

''نماز اس طرح پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر قرآنِ حکیم میں سات سو بار بھی ایک حکم آتا ہے تب بھی رسول اللہ ﷺ کی وضاحت کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ یہ بات میں نے اس حوالے سے کی کہ آپ کو پتہ چل جائے کہ change کا process کیا ہے؟ خیالات اڑتے اڑتے آپ کے ذہن میں نہیں آئیں گے۔ آپ کا ذہن کیسے بنے گا؟ آپ کے ذہن میں change کیسے آئے گی؟ یہ کسی انسان کی مرضی کے مطابق بھی آسکتی ہے اور رحمان کی مرضی کے مطابق بھی، یہ شیطان کی مرضی کے مطابق بھی ہوسکتی ہے جبکہ حقیقی تبدیلی رحمان کی مرضی کے مطابق آئے گی۔ لہٰذا یہ چیز بھی ذہن میں رکھئے گا کہ شیطان کی مرضی پر چلنے کے لیے آپ کو کوئی علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کوئی علم حاصل نہ کریں تب بھی وہ دشمن خود پڑھاتا ہے، خود سکھاتا ہے، خود چلاتا ہے لیکن اگر رحمان کی مرضی پہ چلنا چاہیں تو change کیسے آئے گی؟ اس علم سے دل کیسے بدلے گا؟ لہٰذا یہ جو changing process ہے اس میں سب سے پہلے جو چیز ناگزیر ہے وہ علم ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (الزمر: 9)

''کہہ دو کہ وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے برابر ہوسکتے ہیں''؟

کبھی برابر نہیں ہو سکتے اس لیے کہ علم رکھنے والوں کے خیالات بدل جائیں گے، ان کے معاملات بدل جائیں گے لیکن اگر علم رکھنے والوں نے اس علم کو اپنا خیال نہ بنایا، اس کے اوپر غور و فکر نہ کیا، اس علم پر یقین پختہ نہ ہوا، تبدیل ہونے کا ارادہ نہ کیا تو ان کا علم نہیں بدلے گا۔ وہ خالی الفاظ محض بے روح ڈھانچہ رہ جائیں گے۔

علم کے باوجود یہ تبدیلی کا process ناگزیر ہے، ضروری ہے لیکن ایک اچھے خیال کے لیے ہمیں کس کی ضرورت ہے؟ وحی کی روشنی کی، وحی کے علم کی۔ انسان کا قلب، اس کا ذہن، اس کی عقل ایسی ہے کہ کسی انسان کی بات اسے مطمئن نہیں کر سکتی، اسے مطمئن رحمان کی بات کرتی ہے، Superior Knowledge جو ہے۔ یہ وحی کا knowledge ہے، وحی کی روشنی، وحی کا علم ہے۔ اس علم سے خیالات بدلتے ہیں، Positively، Negatively جو change آتی ہے، اس کے لیے efforts بھی بہت ہو رہی ہیں، کوششیں اس کے لیے بھی کی جا رہی ہیں لیکن ایک انسان کو personally خود کوشش کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی اس لیے کہ دشمن اپنے دشمن کی ہلاکت کا انتظام خود ہی کر لیتا ہے۔ اس کے لیے انسان کو کوشش نہیں کرنی پڑتی لہٰذا اس کے لیے کوشش کون کرتا ہے؟ شیطان کرتا ہے اور اس کے ایجنٹ، چاہے وہ انسانوں میں سے ہوں یا جنات میں سے، یہ کوششیں جاری رکھتے ہیں۔ لہٰذا یہ کوششیں کس کس نوعیت سے جاری رہتی ہیں؟ یہ ہم دیکھیں گے:

یہاں تک میں نے تبدیلی کے حوالے سے internal factors اور external factors کی بات آپ کے سامنے رکھی جو بنیادی چیز اندر کی تبدیلی کے لیے ناگزیر ہوتے ہیں۔ قرآنِ حکیم تبدیلی کا ایک راستہ ہے لیکن دوسرا سلسلہ جاری ہے۔ وہ change جو انسانوں کے اندر آ چکی وہ کون سی ہے؟ یہ شیطان کی جانب سے ہے، شیطان کے وسوسے، خیالات، آپ دیکھیے ایک اِدھر سے خیال آتا ہے اور ایک اُدھر سے، اگر وحی کا علم نہیں ہے تو

یہ خیالات، یہ وسوسے انسان کو گھیر لیں گے اور انسان بے شک کتنے ہی اچھے ماحول میں رہتا ہوا اس کے اندر positive change نہیں آئے گی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کے اندر کیا تبدیلی آئی تھی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وہ تو ایک بگڑا ہوا کام تھا، وہ تیرا بیٹا نہیں تھا۔ کیا تبدیلی آئی تھی حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیویوں کے اندر؟ اچھا ماحول ملا تھا لیکن جب تک سچا علم انسان قبول نہیں کرتا، اس کے اوپر خود کوشش نہیں کرتا، اس وقت تک محض بیرونی طور پر کوششوں سے تبدیلی نہیں آتی۔ اسے اگر ہم vice versa دیکھیں تب بھی ایسا ہی ہے۔ برے ترین ماحول میں رہنے کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود effort کی۔ ایک خیال آیا تھا، تارے کو دیکھا تو خیال آیا، یہ میرا ربّ ہے۔ پھر عقل نے کام کیا اور تارے کے ڈوبنے پہ کہا کہ نہیں، یہ میرا ربّ نہیں ہوسکتا، جو چھوٹا ہو وہ میرا ربّ کیسے ہوسکتا ہے؟ چاند نکلا تو کہا کہ یہ بڑا ہے، یہ ربّ ہوگا۔ چاند ڈوب گیا تو کہا: ڈوبنے والوں سے تو میں محبت نہیں رکھتا۔ سورج نکلا تو سوچا کہ یہ ربّ ہوگا لیکن پھر سورج ڈوبا تو کہا: میں شرک اور شرکاء سے بیزار ہوں۔ یہ process of change ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ایک خیال آیا تھا، غور وفکر کیا، یقین پختہ ہوا، پھر کیا ارادہ کیا؟ میں شرک اور شرکاء سے بےزار ہوں۔ تبدیلی آگئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا آپ اللہ تعالیٰ کے حوالے کردیا۔ اس change کے لیے انسان کو effort کرنی پڑتی ہے چاہے برا ماحول ہو چاہے اچھا ماحول ہو، responsibility انسان کی اپنی ہے۔

آپ فرعون کی بیوی کو دیکھیے حضرت آسیہؓ، کس ماحول میں انہوں نے آنکھ کھولی تھی! کن لوگوں کی رفاقت میں رہنے کا موقع ملا! محلوں میں رہنے والی حضرت آسیہؓ کا دل ربّ سے جڑ گیا، لہٰذا فرعون اور اس کے برے عمل سے پناہ مانگی کہ اے اللہ! تو مجھے فرعون سے اور اس کے برے عمل سے بچالے کہ میں اس کا ساتھ نہیں دینا چاہتی، میں اس کے کاموں میں

شریک نہیں ہونا چاہتی، نہ میں اس کے کاموں کا نتیجہ بھگتنا چاہتی ہوں، لہٰذا

رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ (التحریم:11)

''اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا دیجیے''۔

اس سے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ شوہر فرعون بھی ہو، اتنی زیادہ قوت، اختیار، اقتدار رکھنے والا، تب بھی بیوی صالح رہ سکتی ہے، نیک رہ سکتی ہے اور کوئی بچی اگر unmarried ہے تو اس کے لیے حضرت مریم کی زندگی میں مثال ہے کہ حضرت مریم کا تذکرہ آتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا (التحریم:12)

''جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی''۔ پاکدامن بچی عورت۔

پھر آپ دیکھیے کہ chances ہر ایک کے لیے ہیں۔ برے ماحول میں رہتے ہوئے بھی پاک رہنے کے لیے صرف اس چیز کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ تبدیلی کیسے آتی ہے؟ جو انسان تبدیلی کے سرچشمے سے اپنا تعلق منقطع کر لیتا ہے، توڑ لیتا ہے، وقتی طور پر تو نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ تبدیلی کا عمل رک جاتا ہے۔ یہ change چاہے positive ہو یا negative ہو۔ مثال کے طور پر شیطان کے وسوسوں سے بچنے کے لیے ایک انسان نے کوششیں شروع کر دیں تو شیطان سے اتنی دیر کے لیے تعلق کٹ جائے گا جتنی دیر کے لیے اس نے یہ کوشش کی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''ابنِ آدم جب ذکر کرتا ہے تو شیطان دم دبا کر اس کے پاس سے بھاگ جاتا ہے اور جس وقت وہ ذکر کرنا بھول جاتا ہے تو شیطان اس کے دل پر قبضہ جما کر بیٹھ جاتا ہے''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ذکر کی کیفیت میں شیطان دل کے اندر ٹھہر نہیں سکتا، اس کے

لیے possible نہیں رہتا۔ Temporarily جتنی دیر کے لیے یاد ہے اتنی دیر کے لیے شیطان سے رشتہ کٹ گیا۔ بالکل اسی طرح ایک انسان کو ربّ کے کلام کے توسط سے ربّ کے ساتھ تعلق جوڑنے کا موقع ملتا ہے۔ علم کا رشتہ جس دن منقطع ہوتا ہے اس دن انسان کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے بھی ویسا نہیں رہتا، کٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے علم کے رشتے کو مضبوط کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی علمی مجالس کو چھوڑا نہیں کرتے تھے۔ یہ personal responsibility سمجھی تھی کہ جس وقت علم سے رشتہ توڑا، ہمارا رشتہ ہمارے ربّ سے، ہمارے مولا سے متاثر ہو جائے گا۔

آپ دیکھیے کہ اگر پہاڑوں پر برف جمی رہتی ہے، برف کے خزانے موجود رہتے ہیں تو دھوپ لگنے سے برف پانی بنتی ہے اور دریاؤں میں پانی آتا ہے لیکن اگر پیچھے storage ختم ہو جائے تو دریاؤں کے سوتے خشک ہو جاتے ہیں، پھر دریاؤں میں پانی نہیں آتا اور اس کے بہت برے نتائج بھگتنے پڑتے ہیں۔ جیسے ہمارے یہاں تو چونکہ maximum بجلی پانی سے بنتی ہے اور پانی کم ہو جائے تو بجلی بننا کم ہو جاتی ہے، لوڈ شیڈنگ کا آغاز ہو جاتا ہے، کھیتوں میں پانی کم پہنچے تو فصلیں متاثر ہو جاتی ہیں اور اسی طرح پانی کی کمی کی وجہ سے قحط کسی علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے تو آپ دیکھیے کہ physically بھی جس منبع، جس سرچشمے سے کوئی چیز فیض حاصل کر رہی ہے وہاں ذخیرہ ختم ہو جائے تو اس کے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں، پانی نہ ہو تو دریا نہیں بہتے، برف اگر موجود نہیں تو دریا نہیں چلتے اور دریاؤں کا پانی خشک ہوتا ہے تو علاقے ویران ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جس انسان کا علم سے رشتہ منقطع ہو جاتا ہے خواہ کسی نے اپنی زندگی کا ایک کثیر حصہ لگایا ہو اور اس کے بعد وہ مطمئن ہو کہ اب تک کا علم میرے لیے کافی ہو گیا، جس دن اس نے یہ سمجھ لیا، جس دن اس کا علمی رشتہ کٹ گیا، سیکھنے کا یا سکھانے کا، اس دن سے تبدیلی کا عمل reverse چلنا شروع ہو

جائے گا، یہ anti clock wise change آنا شروع ہو جائے گی اور یہ cycle خراب ہو جائے گا۔

یہ علم ہے جس کی وجہ سے خیالات اچھے رہتے ہیں اور جس کی وجہ سے انسان کا جھکاؤ اپنے ربّ کی طرف رہتا ہے، جس کی وجہ سے ربّ کی باتوں پر یقین رہتا ہے، جس کی وجہ سے انسان نیکی کرنے کا ارادہ کرتا ہے، جس کی وجہ سے انسان کے عمل میں تبدیلی آتی ہے۔ لہٰذا سب سے زیادہ جو چیز ضروری ہے، ناگزیر ہے، اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اگر ہم سادگی سے یہ کہیں کہ دل کیسے بدلتا ہے؟ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ دل علم سے بدلتا ہے، دل کے اندر تبدیلی وحی سے آتی ہے اور اگر ہم یہ کہیں کہ دل اللہ تعالیٰ کا باغی کیسے ہو جاتا ہے؟ تو علم سے رشتہ کٹ جانے کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے اور انسان اگر اپنا معاملہ شیطان کے حوالے کر دے، یعنی غافل ہو جائے، alert نہ رہے، شعوری process کی بجائے اگر ایک انسان اپنے اندر آنے والے خیالات پر چیک نہ بٹھائے تو شیطان کو دل پر قبضہ جمانے کا موقع مل جاتا ہے۔

اب تک کی بات چیت کے بارے میں کوئی سوال کرنا چاہیں تو کیجئے:

طالبہ: شروع میں نماز کے حوالے سے نیت کی بات ہوئی تو جیسے ہم فجر کے لیے اٹھتے ہیں، اب دل میں یہی ہے کہ نماز پڑھنے جا رہے ہیں تو کیا یہ خیال ہوگا؟ اب اس کی کسوٹی کیا ہوگی؟ ہم کیسے اس کو جانچیں گے کہ آیا یہ ہمارا خیال تھا یا یہ ہماری نیت تھی؟ حالانکہ سارا دن ایک ہی کیفیت دل میں رہتی ہے، گھڑی پہ نظر رہتی ہے کہ سوا ایک ہونے والا ہے، ظہر کی اذان ہوگی اور پھر عصر کی اذان ہو جاتی ہے اور نماز کے لیے جانا ہے۔ اب یہ خیال ہی ہوگا یا اس میں ہماری نیت شامل ہے؟

استاذہ: آپ کہہ سکتے ہیں کہ آپ نماز کے لیے بہت caring ہیں، آپ کو نماز کا خیال رہتا ہے، اس سے آگے کچھ نہیں۔ یہ نماز کی اصلاح کا ارادہ نہیں ہے۔ اس کے لیے غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ کس کے آگے کھڑے ہونے جا رہے ہیں؟ وضو کیوں کر رہے ہیں؟ اپنے اعضاء کو یہ پانی کیوں لگا رہے ہیں؟ اس طریقے سے کیوں دھو رہے ہیں؟ کیا ملے گا؟ اور ہر وقت سوچنے کی ضرورت ہے کہ کیا کرنے جا رہے ہیں؟ کس سے ملاقات ہے؟ کس کے آگے کھڑے ہیں؟ اور ہمیں کیوں کھڑا کیا جاتا ہے؟ یہ تو ایک یاد ہے کہ اللہ کے آگے کھڑے ہونا ہے، پھر ایک دن آئے گا جب میں نے اپنے ربّ کو حساب کتاب دینا ہے تو نماز بھی دراصل حساب کتاب ہے۔ یہ خوف انسان کے دل کے اندر رہے تو نماز درست رہتی ہے۔

طالبہ: یہ جو heart cycle ہے، کس step پہ پہنچ کے ہمیں یہ احساس ہوسکتا ہے کہ شیطان کا وار ہم پہ چل گیا ہے اور اب وہ ہمارے عمل میں مخل ہوگا؟

استاذہ: ہر step پہ ہوگا۔ کوئی step نہیں جس پہ وہ چھوڑ دے، وہ خیال ہی نہیں رہنے دے گا۔ آپ نیکی کا کام کرنا چاہیں گے اور وہ آپ کے خیال کو خراب کر دے گا، عین اس موقع پر آپ کو کوئی اور نیکی یاد دلا دے گا، آپ کے ذہن میں کسی اور اہم کام کو لا کے ڈال دے گا۔ مثلاً آپ نماز کے بعد دُعا کرنا چاہتے ہیں اور اچانک آپ کے ذہن میں کوئی ایسا خیال آتا ہے، کوئی انتہائی ضروری کام تو آپ دُعا مانگتے مانگتے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اکثر آپ دیکھتے ہوں گے کہ آپ زیادہ اچھی دُعا کرنا چاہتے ہیں تو ٹیلیفون کی بیل ہی ہونا شروع ہو جاتی ہے، وہ کسی اور کو مصروف کر دیتا ہے کہ چلو فون کرو تاکہ اس کی دُعا تو ختم ہو۔

اسی طرح جیسے اذان ہو رہی ہوتی ہے اور انسان زیادہ متوجہ ہو سکتا ہے تو عین اذان کے وقت پہ کوئی ضروری کام یاد دلا دے گا کہ اس دوران ضرور ہی لوگ ایک دوسرے سے بات چیت کر لیں۔ ایسے ہی آپ کسی کے ساتھ کوئی بھلائی کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں، فرض کریں مال خرچ کرنا چاہتے ہیں تو شیطان ذہن کے اندر reverse گیئر لگا دے گا کہ کیا پتہ آپ تو اتنے اخلاص کے ساتھ مال خرچ کر رہے ہیں لیکن جن کے حوالے آپ یہ مال کر رہے ہیں، وہ اسے صحیح طریقے سے خرچ بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ آپ دیکھیں ایک گندگی کی چھینٹ آ گئی اور اس کی وجہ سے آپ اتنے خالص نہیں رہیں گے۔ انسان اندر اندر پریشان بھی ہوتا ہے اور اگر شیطان کا وار نہیں چلا، بظاہر آپ کو محسوس ہوا کہ آپ نے اسے face کر لیا اور آپ نے آگے بڑھ کے مال خرچ کر دیا تب بھی آپ آخر تک جاتے جاتے محسوس کریں گے تو آپ کی وہ سوچ نہیں رہے گی جس first thought پہ آپ نے ارادہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کروں۔ اندر اندر وہ خیال کو خراب کر دیتا ہے اور اندر ہی اندر اگر آپ reasoning نہیں کرتے اور اگر اللہ تعالیٰ کی مدد نہیں مانگتے، اللہ تعالیٰ کی پناہ نہیں مانگتے تو آپ کی نیکی اللہ تعالیٰ کے لیے خالص نہیں رہتی۔ یعنی آپ ایک بڑا کام کرنا چاہتے ہیں لیکن آپ کے خیال کا رخ موڑ کے وہ کہیں اور لے جاتا ہے۔ اب جو آخر میں کی گئی نیت تھی، کام کرتے ہوئے وہ نیت count ہو گی، اس کے مطابق عمل کو پرکھا جائے گا۔ اس لیے یہ معاملہ ہے کافی مشکل لیکن سیکھنے کی بات ہے، سیکھ جائیں تو پھر کوئی مشکل نہیں ہے الحمدللہ۔ یعنی ایک شعوری معاملے کو انسان سیکھ جاتا ہے تو زیادہ easy feel کرتا ہے اور اسے شیطان کو بھگانا بس اتنا ہی مشکل لگتا ہے جیسے مکھی کو اڑانا۔ جیسے مکھی کے بارے میں

پتہ ہے کہ مکھی بیٹھی ہے، اب اس کی گندگی مجھ تک آئے گی، یہ مجھے disturb کر رہی ہے تو آپ کیا کرتے ہیں؟ آپ اسے ہاتھ سے پرے کر دیں گے یا آپ اس کے لیے کوئی other option بھی use کر سکتے ہیں، مثال کے طور پر کوئی مکھی مار استعمال کر لیں یا کوئی اسپرے کر دیں یا مکھی کو باہر نکال دیں، کوئی نہ کوئی تدبیر تو آپ ضرور استعمال کریں گے۔

اسی طرح شیطان کا وار ہلکا ہو تو صرف ایسے ہاتھ سے بھی پرے کیا جا سکتا ہے، اتنی کوشش لگے گی جیسے مکھی کو ہاتھ سے پرے کیا جاتا ہے، یعنی خیال کو ہٹانے کے لیے اور ہو سکتا ہے کہ اس کے لیے اسپرے بھی کرنا پڑے۔

طالبہ: آپ نے ہارٹ سائیکل بتایا ہے تو مجھے ایک چیز پریشان کر رہی ہے کہ بعض دفعہ کچھ چیزیں دل کو سخت بھی کر دیتی ہیں جس کی وجہ سے انسان عمل نہیں کر پاتا۔

استاذہ: کون سی چیز سخت کر دیتی ہے؟

طالبہ: یہی کہ انسان پختہ ارادہ بھی کرتا ہے اور ایمان بھی ہے اس کے پاس۔

استاذہ: کہاں سے پختہ ارادہ کر سکتا ہے؟ یہ ہماری غلط فہمی ہے کہ ہم پختہ ارادہ کر لیتے ہیں۔ علم کے بغیر کوئی ارادہ پختہ نہیں ہوتا۔

طالبہ: علم بھی ہے، سب کچھ ہے۔

استاذہ: یہ بھی غلط فہمی ہے۔ وہ دراصل information ہے۔ information اور knowledge دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ آپ اخبار پڑھ کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری نہیں لے سکتے چاہے زندگی بھر سے پڑھ رہے ہوں۔ آپ کے پاس information چاہے جتنی ہو، آپ نے کتب خانے چاٹ رکھے ہوں بہر حال آپ کو جب کوئی

ڈگری لینی ہے تو اس کے لیے ایک خاص ترتیب کے ساتھ پڑھنا پڑتا ہے۔ ایسے ہی آپ نے اسلام میں داخلہ لینا ہے تو اسلام کو بھی ایک خاص ترتیب کے ساتھ سیکھنا پڑے گا، پھر اس ترتیب کے ساتھ عمل کرنا پڑے گا۔ یہ ہماری غلط فہمیاں ہیں کہ ہمارے پاس علم بھی ہے۔ مثلاً کسی نے ماسٹر ان اسلامک اسٹڈیز کر لیا ہو، آپ کیا سمجھتے ہیں کہ صرف ماسٹرز کر لینے سے اس کے رویے میں کوئی تبدیلی آئے گی؟ واللہ! نہیں آئے گی۔ تبدیلی تو ارادے سے آئے گی اور ارادہ اعتقاد سے بنے گا۔ بہت سارے الفاظ ہم سن لیتے ہیں، پڑھ لیتے ہیں، امتحان دے دیتے ہیں اور اے گریڈ بھی لے لیتے ہیں لیکن ہمیں ان الفاظ پر یقین نہیں ہوتا اور اس کی وجہ سے ہمارا ارادہ ہی نہیں ہوتا کہ ہم اپنی زندگی کو تبدیل کر لیں۔ زندگی جب ایک انسان تبدیل کرنا ہی نہیں چاہتا تو change کہاں سے آئے گی؟ اس وجہ سے پختہ علم چاہے کسی کے پاس کتنا ہی ہو مثلاً آپ دیکھیں کہ یہودیوں کے پاس، اس وقت جو orientlists ہیں ان کے پاس کہیں زیادہ علم ہے، مثلاً آپ اپنے علماء میں سے کسی عالم کو کھڑا کرنا چاہیں تو بہت کم علماء ہوں گے جو کسی orientelist کا مقابلہ کر سکیں گے۔ ان کے پاس ہماری basics کا زیادہ علم ہے، قرآن کا، حدیث کا اور انہوں نے جتنا ان پر تحقیقات کی ہیں، ایسی چیزیں نکالی ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کا ذہن بگڑ جائے لیکن آپ دیکھئے کہ اتنا علم حاصل کرنے کے باوجود وہ علم ان کے کام کیوں نہیں آتا؟ حقیقت یہ ہے کہ انہیں اس علم پر اعتقاد نہیں ہے، یقین نہیں ہے کہ یہ علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا یہ کہ یہ علم ہماری ضرورت ہے؟ یا یہ کہ یہ قابلِ عمل ہے۔ لہٰذا وہ بدلنے کا ارادہ نہیں کرتے اور ان کا عمل نہیں بدلتا۔ علم تو بہر حال رکھتے ہیں لہٰذا فقط کتابی علم کافی نہیں ہوگا جب تک کہ ایک انسان کا اعتقاد نہ ہو اور یہ ذہن میں رکھئے گا کہ اکیلے

بیٹھ کر آپ چاہے کسی چیز کے حافظ بن جائیں تبدیلی نہیں آئے گی، change کے لیے environment ضروری ہے،ایک ماحول ضروری ہے۔ Practically آپ دیکھتے ہیں کہ جیسے آپ کسی صحرا میں پھول اگانا چاہتے ہیں یا فرض کریں کہ کسی میدانی علاقے میں کسی پہاڑی علاقے کا کوئی پھل اگانا چاہتے ہیں یا کسی پہاڑی علاقے میں کوئی ایسی چیز اگانا چاہتے ہیں جو میدانوں کی ہو،اس کے لیے آپ کو خیال رکھنا پڑتا ہے اور خیال کس چیز کا؟ مٹی اس نوعیت کی ہو جس میں وہ پودا اگ سکے، temprature مناسب ہو،اسی طرح اس کا موسم یا ماحول اس کے according ہو،اس کی تمام requirment پوری ہوں، پھر وہ اگ جائے گا، opposite ماحول میں کچھ اگانے کے لیے green houses بنائے جاتے ہیں، پھر یوں ہوتا ہے کہ وہ مطلوبہ پودا اگ آتا ہے اور پھل بھی دیتا ہے۔لہٰذا ماحول ہماری پوری سوسائٹی کا totally opposite ہے لیکن یہ جگہ ایک green house ہے الحمدللہ کہ جہاں آپ کو نیکی کا موقع مل رہا ہے اور انشاءاللہ ان دلوں میں نیکی ضرور grow کرے گی۔

طالبہ:Internal factors اگر weak ہوں تو پھر سلسلہ کیسے آگے بڑھے گا؟

استاذہ:اس کے لیے external elements کام آئیں گے۔دیکھیں ایک جو خبطی انسان ہے،جنونی انسان ہے جس کے پاس عقل ہے ہی نہیں،اس پر تو کچھ بھی فرض نہیں یعنی نہ اس پر نماز فرض ہے، نہ زکوٰۃ دینے کا وہ مکلّف ہے،احکامات اس سے ساقط ہو جاتے ہیں جس کے پاس عقل نہیں ہے۔اب بات ہے کہ جس کے پاس عقل ہے لیکن اس کی عقل خراب ہو چکی، ماحول کے Interaction کی وجہ سے اس کا ذہن بگڑ گیا، ذہنی سانچہ بگڑ گیا تو ذہنی سانچے کے مطابق ہی انسان

کام کرتا ہے۔جیسے قرآنِ حکیم میں آتا ہے:

کُلٌّ یَّعۡمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ (بنی اسرائیل:84)

”ہر ایک اپنے شاکلہ، اپنے ذہنی سانچے کے مطابق عمل کرتا ہے“۔

چونکہ ذہنی سانچہ بگڑا ہوا ہے تو اب وہ سیدھا کیسے ہوگا؟ سانچہ سیدھا کرنے کے لیے طریقۂ کار ازل سے وہی ہے، بیرونی کوششیں[externally efforts] زیادہ کی جائیں گی لیکن پھر بھی بیرونی کوششیں کرنے والوں کے ہاتھ میں ہے کچھ نہیں، efforts وہ کر سکتے ہیں لیکن finally کوئی سیدھا ہو سکتا ہے، سیدھے راستے پہ چل سکتا ہے یا نہیں، انسان کا اختیار نہیں ہے۔ ربّ العزت نے فرمایا:

اِنَّکَ لَا تَھۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ (القصص:56)

”تم جسے چاہو اسے ہدایت نہیں دے سکتے“۔

یہ بات اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمائی تھی جب آپ ﷺ اپنے چچا ابوطالب کے پاس بیٹھے یہ کہہ رہے تھے کہ چچا! ایک دفعہ کلمہ پڑھ لیں، میں اللہ تعالیٰ سے آپ کی سفارش کروں گا تو پاس بیٹھے ہوئے سرداران نے کہا: ابوطالب! کیا باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر اب کوئی اور دین اختیار کروگے؟ اور آخری وقت پر ابوطالب نے کہا کہ میں اپنے باپ دادا کے دین پر جان دے رہا ہوں، علٰی دین عبد المطلب کہ میں عبدالمطلب کے دین پر جان دے رہا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کا دل بہت خراب ہوا تھا، آپ ﷺ بے حد ملول ہوئے تھے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے کہا تھا: (مسلم کتاب الایمان)

اِنَّکَ لَا تَھۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ

(القصص:56)

”تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے، اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔“

لیکن externaly کوششیں کرنا یہ تمام اللہ والوں کا کام ہے، وہ کوششیں کرتے رہیں ہم نہیں جانتے کہ کس کا سانچہ سیدھا ہوسکتا ہے کس کا نہیں؟ کوئی نہیں جانتا۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ سننے والے کا دل کہنے والے سے زیادہ جلدی پگھل جاتا ہے اور زیادہ جلدی درست ہوجاتا ہے، اس کا ذہن زیادہ جلدی درست ہوجاتا ہے۔ اس وجہ سے کہنا چاہیے، بلانا چاہیے، درستگی کے لیے، اصلاح کے لیے دعوت دینی چاہیے، کوششیں جاری رکھنی چاہیے اس لیے کہ اس میں کہنے والے کا فائدہ ہے۔ حکم کی تعمیل بھی ہے اور اپنے معاملات بھی تبھی سیدھے رہتے ہیں۔ انسان جب دوسرے کی طرف دیکھتا ہے تو اپنی بات زیادہ ذہن میں رہتی ہے اور رہنی چاہیے۔ اس لیے کہنے کی ضرورت اپنی جگہ پہ ہے، finally جو change آئے گی وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آئے گی، جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوگا لہٰذا اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرنے کی ضرورت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے دو افراد کے بارے میں بہت دُعائیں کی تھیں، ایک عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور دوسرے عمرو بن ہشام، یہ ابوجہل کا نام تھا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں دُعا قبول کرلی لیکن ابوجہل کے حق میں دُعا قبول نہیں ہوئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے لیکن کوششیں آپ ﷺ کی طرف سے جاری رہیں اور اس کا نتیجہ بھی سامنے آیا۔ ابوجہل سے اخنس بن شریک نے پوچھا تھا: یہ بتاؤ کہ کیا تم محمد ﷺ کو سچا سمجھتے ہو؟ یعنی وہ جو بات کرتا ہے ٹھیک کرتا ہے؟ اس پر ابوجہل نے کہا تھا کہ ہاں میں اس کی بات کو سچا سمجھتا ہوں، وہ واقعی بالکل ٹھیک کہتا ہے

لیکن اگر میں اس کی بات مان لوں تو لوایت، سقایت اور حجابت کے جو ڈیپارٹمنٹس ہیں، یہ سارے مناصب، یہ عہدے تو سارے بنی عبد مناف کے پاس چلے جائیں گے لہٰذا میں اس کی مخالفت کروں گا۔ بعض اوقات انسان کے دل کو یقین بھی آ جاتا ہے لیکن بہت سے دوسرے factors ہوتے ہیں جن کی وجہ سے کوئی سیدھے راستے پہ نہیں آتا، حق کو قبول نہیں کرتا، بدلنا نہیں چاہتا۔

طالبہ: کیا ہمیں مستقلاً شعوری طور پر اندرونی اور بیرونی factors سے جنگ کرنا ہوگی؟

استاذہ: جی بالکل۔ اس بات کو اپنے شعور میں رکھنا چاہیے کہ جنگ جاری ہے۔ اگر دشمن پوری طرح مستعد ہے تو ہمیں بھی تیار رہنا چاہیے۔ تیاری تو علم کی ہے اور تیاری ہے اپنے جیسے انسانوں کو ربّ کے ساتھ جوڑ کر اپنا آپ بچانے کی تو اپنی تیاری رکھنی چاہیے، اپنی طرف سے دفاع کرنا چاہیے۔ اگر ایک انسان دفاع نہیں کرتا تو ظاہر ہے کہ فتح ہو جائے گا۔ اب آپ دیکھئے کہ جسم ہمارا ہو، خدمت ہم کرتے ہوں لیکن یہ جسم فتح ہو جائے، یہ روح فتح ہو جائے، اس سے بڑی کیا ناکامی ہے کہ انسان اس زندگی میں اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کے باوجود شیطان کی رہنمائی پہ چلتا چلا جائے! ہم یا ہماری اولادیں یا ہمارے اردگرد کے افراد! یقیناً یہ سب سے بڑی ناکامی ہے۔

ذٰلِکَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ (الزمر: 15)

”یہ صریح اور سب سے بڑا نقصان ہے“۔

یہ external and internal factors دو طرح ہوتے ہیں، ان کے اثرات کو بھی ہم دیکھ لیتے ہیں تاکہ یہ بات واضح ہو جائے۔

External factors میں سے اگر انبیاء علیہم السلام باہر سے بلائیں اور انسان

کلام سیکھ رہا ہوتو وہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے لگ جاتا ہے لیکن اس کے لیے بھی طریقہ کا رہے۔ میں انسان کے باطن کو symbolically آپ کے سامنے رکھتی ہوں۔ ایک انسان کے دل کے اندر اگر خیر ہے یعنی بھلائی، نیکی چاہے وہ وقتی حالات کے تحت دب چکی ہو اور ایک اور انسان ہے جس کے اندر خیر دب چکا ہو اور شر ابھر چکا ہو تو دیکھئے گا کہ external factors کیسے کام کرتے ہیں؟ دونوں کے پاس عقل بھی موجود ہے، دونوں کے پاس اچھائی اور برائی کی قوت بھی موجود ہے لیکن اگر دونوں کو باہر سے مرسلین کی call جاتی ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والوں کی، دعوت دینے والوں کی call جاتی ہے، خیر کی دعوت ہے، کتاب کی، کتاب کے علم کی تو نتیجہ کیا نکلے گا؟ نتیجہ یہ نکلے گا کہ اندر کا خیر ابھر آئے گا اور انسان نیکی کی طرف چل پڑے گا، وہ صراطِ مستقیم پر بھاگنے لگے گا لیکن اگر انسان کے اندر شر موجود ہو اور externally call ہو شیطان کی یا شیطان کے ایجنٹوں کی یعنی برائی کی call ہو، اور یہ call کس طرح سے آسکتی ہے؟ چاہے میڈیا کے توسط سے ہو، Printed matter کے توسط سے ہو، برے دوستوں کے توسط سے ہو یا اس کی کوئی بھی صورت ہو تو ایک تو general call ہے، دوسرا یہ کہ helping material یا ارد گرد کا ماحول بھی ایسا ہے کہ بگڑنے کے لیے پوری سہولت موجود ہے، اب آپ دیکھئے کہ یہ بیرونی call دل پہ اثر انداز ہوگی اور انسان کے اندر سے شر ابھر کر سامنے آجائے گا اور وہ شر کے راستے پر چل نکلے گا، برائی کے راستے پر جس کے اختتام پر جہنم ہے۔ یہ call صرف شریر لوگوں کو نہیں دی جاتی۔ شیطان کی کال، برائی کی دعوت نیک لوگوں کو بھی دی جاتی ہے۔

یہاں تک الگ الگ بات تو ٹھیک ہے، ہمیں سمجھ آرہی ہے لیکن اگر ہم تیسری اور چوتھی صورت کو سامنے رکھیں تو ہمارے لیے سمجھنا اور زیادہ آسان ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر ایک شخص کے اندر خیر ہے۔ اب اس کو ایک طرف حق کی دعوت دینے والے call دیتے

ہیں اور ساتھ ہی برائی کی دعوت دینے والے بھی call دیتے ہیں۔اب یہاں کیا ہوگا؟ یہ بندہ confused ہو جائے گا،وہ کہے گا کہ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ میں کیا کروں؟اب نتیجہ کیا نکلے گا؟اگر نیکی کی طرف بلانے والے مستقل مزاجی سے کام کرتے رہے تو اُس شخص کے اندر کا خیر ابھر آئے گا لیکن اگر یہاں حق کی دعوت دینے والوں نے کام نہ کیا اور برائی کی دعوت دینے والے یہ کام کرتے رہے تو جس کے اندر خیر ہے،نیکی ہے، بھلائی ہے،وہ بھی شر کے راستے پر چل نکلے گا۔یہ شر کا راستہ صرف حق کی طرف نہ بلانے کی وجہ سے ہے۔ برائی کی call تو پوری سوسائٹی میں دی جاتی ہے،اگر لوگ حق کی دعوت دینے کے لیے،نیکی کی دعوت دینے کے لیے نہیں اٹھیں گے تو جن لوگوں کے دلوں کے اندر نیکی ہے وہ سب بھی برے بن جائیں گے۔اسی وجہ سے ایسی قوموں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا جن میں لوگ خود تو نیک رہے لیکن دوسروں کو بھلائی کی طرف نہیں بلایا۔

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی قوم کی طرف جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو فرشتوں نے کہا کہ یا اللہ!ان کے کثیر افراد ایسے ہیں جو نیک ہیں تو کیا اس عذاب میں ان سب کو پیس کر رکھ دیا جائے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں! یہ خود ضرور نیک ہیں، بھلائی کے راستے پر ہیں، اپنے اپنے گھر سنوار رہے ہیں،اپنے رشتے داروں کی یا اپنے گھر کی حفاظت کر رہے ہیں اور انہیں دوسروں کی کوئی پرواہ نہیں ہے لہٰذا ان کے لیے بھی ویسا ہی عذاب ہے۔اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر بلوایا،آپ علیہ السلام کوہِ طور پر گئے تو سامری نے قوم کو بہکایا اور قوم تین حصوں میں بٹ گئی۔ایک وہ لوگ تھے جنہوں نے سامری کے بنائے بچھڑے کی پوجا کی،دوسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے خود تو پوجا نہیں کی لیکن کسی کو پوجا کرنے سے منع بھی نہیں کیا، indifferent رہے جیسے ہمارے ہاں آج کل کہا جاتا ہے:

؎ تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

اپنے کام سے کام رکھو، بس زیادہ لوگوں کے معاملات میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے تو ایک تو یہ گروپ تھا اور تیسرا وہ گروہ تھا جو خود بھی بچتے رہے اور دوسروں کو بھی بچاتے رہے، بچھڑے کی پوجا کرنے سے روکتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے جانتے ہیں کیا عذاب ان پر نازل کیا؟ کہ جن لوگوں نے دوسروں کو برائی سے نہیں روکا تھا، اب وہ لوگ اٹھیں گے اور جو لوگ برائی میں مبتلا تھے اپنے ان قریبی رشتہ داروں کو خود اپنے ہاتھوں سے قتل کریں گے یعنی اگر انہیں بھلائی کی call نہیں دے سکے تھے، ان کو ان کی برائی میں مبتلا رہنے دیا تھا، ان کو جہنم کا مسافر بننے دیا تو اب اپنے ہاتھوں سے انہیں مار ڈالو۔ اس طرح آپ دیکھئے کہ ہر دور میں جن لوگوں نے دوسرے افراد کو اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں بلایا اور خود نیک بنے رہے، وہ بھی عذاب میں اسی طرح سے مبتلا ہوئے جس طرح برائی کرنے والے مبتلا تھے۔ اس وجہ سے کہ یہ سب سے بڑی خود غرضی ہے کہ لوگوں کے اندر خیر کا potential موجود ہو اور کوئی call دینے والا نہ ہو۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ (الصف:14)

''اللہ تعالیٰ کے مددگار بن جاؤ''۔

اللہ کی call دینے والے بن جاؤ، یہ call دو گے تو لوگوں کے اندر کی نیکی باہر آ جائے گی۔ اسی طرح اگر آپ دیکھئے کہ کسی کے اندر شر موجود ہو اور ایک طرف برائی کی دعوت دینے والے ہیں اور دوسری طرف بھلائی کی دعوت دینے والے، اب یہاں معاملہ ذرا مشکل ہو جائے گا۔ اگر بھلائی کی طرف دعوت دینے والے دعوت دیتے رہیں تو ان پر ٹائم زیادہ لگے گا لیکن پھر بھی چانس موجود ہے کہ یہ بھی بھلائی کے راستے پر آ سکتے ہیں اور اگر برائی کی دعوت دینے والے stop ہو جائیں یا ان کا کام تھوڑا سا کم ہو تو ان افراد کے اندر کا خیر جو چھپا ہوا ہے، یہ بھی ابھر آئے گا اور یہ بھی بھلائی کے راستے پر چل پڑیں گے۔ اللہ کے رسول

ﷺ نے فرمایا:

”کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہے کہ نیکی کے اس مقام پر پہنچ جائے جہاں سے وہ واپس نہ پلٹ سکتا ہو اور کوئی انسان ایسا نہیں ہے کہ برائی کے اس مقام پر پہنچ جائے جہاں سے وہ واپس نہ پلٹ سکتا ہو“۔

واپسی ممکن ہے اور واپسی کے لیے ہم نے کوششیں کرنی ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی مدد پہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد پر ہوتے ہیں“۔ (بخاری:2442)

یہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے راستے پر چلائے رکھے، ہمارے دلوں کو نیکی کی طرف راغب رکھے۔

اب یہاں سے ایک اور چیز میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں کہ دین کی تعلیم بنیادی طور پر کیا ہے؟ دنیا کی کسی بھی نوعیت کی تعلیم ہو، یہ تعلیم کیا ہے؟ جو potential انسان کے اندر ہے، اس کو باہر لے آنا یہ تعلیم [education] ہے۔ جیسے لکھنے کی صلاحیت ہے، بولنے کی ہے، چیزوں کو analyze کرنے کی ہے، تو ایجوکیشن کیا کام کرتی ہے؟ اس potential کو باہر لے آتی ہے۔ اسلامی تعلیم [islamic education] جانتے ہیں کسے کہتے ہیں؟ یہ جو اندر خیر کا potential موجود ہے، نیکی کا، بھلائی کا، اس کو باہر لے آنا۔ یہ تعلیم ہے اور یہ تعلیم ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے“۔ (ابن ماجہ:224)

ظاہر ہے کہ جہاں علم کا حصول فرض ہوگا وہاں تعلیم دی جائے گی، تعلیمی ادارے بنیں گے، وہاں پر علمی activity سوسائٹی کی سب سے بڑی activity بن جائے گی کیونکہ یہ

فرائض ہیں جن کو پورا کرنا ضروری ہے اور یہ ایسا فرض ہے جس کی وجہ سے انسانیت جہنم کے دروازے پر جانے سے بچ جاتی ہے۔اس سے بڑا نیکی کا کام کوئی نہیں۔ یہ سب سے بڑی خدمت ہے، خدمتِ خلق ہے۔ باقی کام بھی نیکی کے ہیں، بھلائی کے ہیں no doubt لیکن جب ہم ترجیحات پہ لے کر آتے ہیں تو ایک انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ انسانوں کو ربّ کا مجرم بننے سے، criminal بننے سے، جہنم کے دروازے پر پہنچنے سے بچالیا جائے۔ یہ خدمت اللہ تعالیٰ نے مرسلین سے لی اور یہ خدمت اللہ تعالیٰ ہم سب سے لینا چاہتا ہے کہ ہم انسانیت کے خدمت گار بن جائیں کیونکہ بنیادی طور پر جب صحیح اسلامک ایجوکیشن ہوتی ہے سوسائٹی کے اندر وہ ساری changes آتی ہیں جو ہم دوسروں سے متاثر ہونے کے بعد دیکھنا چاہتے ہیں، اصل میں جو چیز ہمارے دین نے سکھائی ہے وہ ایک perfect life style ہے۔ ہم مسلمانوں کو دیکھ کر یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے اندر اگر خیر نہیں تو اسلام کے اندر خیر نہیں۔ وہ اسلام نہیں ہے جو آج مسلمانوں نے اختیار کر رکھا ہے، وہ تو مسلمانوں کی مغلوبیت ہے، کوئی چیز انہوں نے کہیں سے لے لی اور کوئی کہیں سے۔

آج بھی اگر ہم دیکھنا چاہیں تو مسلمانوں کے عملی رویے تعلیم چاہتے ہیں چاہے وہ حرم میں پہنچ کے ہوں یا یہاں ہوں لیکن اگر اس کا بیڑہ کچھ افراد اٹھالیں تو یقیناً امت کی تقدیر سنور جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ اور اگر آپ اس مشن میں شامل ہو جائیں تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد آپ ایک تبدیلی محسوس کریں گے۔ یہ تبدیلی کا راستہ ہے، انفرادی تبدیلی ایک انسان کے اپنے اندر آتی ہے اور call کیا ہے؟ یہ اجتماعی تبدیلی کا طریقۂ کار ہے کہ call دے دیں اور دوسروں کو بھی اس call کے طریقۂ کار میں شامل کر لیں۔

میرا خیال ہے اب وہ الجھن دور ہوگئی ہوگی کہ لوگوں کے اندر اگر خیر کا potential نہ ہو، اندر سانچہ بگڑ چکا ہو، پھر بھی باہر سے جو کام ہوتا ہے اس کے اثرات کسی حد تک ضرور

مرتب ہوتے ہیں ورنہ فرض تو ضرور ادا ہو جاتا ہے کہ اس کو ٹھیک کرنے کی کوشش تو کی تھی۔

طالبہ: میں یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ انسان جو بھی کام کرتا ہے یا تو وہ رحمان کی طرف سے ہے یا پھر شیطان کی طرف سے ہے تو کیا انسان اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کرتا؟

استاذہ: پہلی بات آپ نے خود طے کر لی کہ انسان جو بھی کام کرتا ہے وہ شیطان کی طرف سے ہے یا رحمان کی طرف سے ہے۔ یہ بات ہی غلط ہے، مفروضہ غلط ہے، یہ آپ کا ذاتی hypothesis ہے۔ ہم کام اور خیال میں differenciate کریں گے۔ انسان کے اندر جو خیال بھی آتا ہے، یا تو شیطان کی جانب سے ہوتا ہے یا پھر فرشتوں کی جانب سے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کا طریقہ کار ہے، الہام ہوتا ہے، انسان کے اندر ڈالا جاتا ہے بس۔ نہ شیطان انسان سے زبردستی کوئی کام کروا سکتا ہے نہ فرشتے کروا سکتے ہیں، کام انسان نے خود کرنا ہے، یہ انسان کا اپنا معاملہ ہے حتیٰ کہ ذہنی process کو دیکھئے، نیکی کا خیال ایک دم سے جھٹک کر رکھ دیتے ہیں کہ نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ آپ کے ساتھ کبھی ایسا ہوا کہ کسی نے آپ کو کوئی نیکی کا کام کہا ہو اور آپ نے کہا ہو: نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا؟ اندر کا سانچہ جب بگڑا ہوا ہوتا ہے تو فوری طور پر یہ بات ضرور ذہن میں آتی ہے کہ نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس 1st stage پہ اگر کوئی انسان برائی کے خیال کو جھٹک دیتا ہے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں ثبت ہو جاتا ہے، ایک نیکی لکھی جاتی ہے کیونکہ اگر اس نے برے خیال کو قبول کرنا تھا تو ظاہر ہے کہ اسی کے مطابق برائی ہوئی تھی۔ اگر ایک انسان اپنے ذہن کے اندر برا خیال آنے نہیں دیتا تو یہ اس کی کوشش ہے اور ہر کوشش پر صلہ ملنا چاہیے۔ اس لحاظ سے اگر آپ دیکھیں تو ابتدائی اسٹیج پر انسان بُرا خیال جھٹک دے تو بُرا

کام نہیں ہوتا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان خیال قبول کرتا ہے،اس پر سوچتا ہے،غور کرتا ہے،پھر وہ خیال دل میں جم جاتا ہے،پھر وہ اس کا ارادہ کرتا ہے،پھر کام ہوتا ہے۔اس لیے انسان مکلف ہے،انسان کو اختیار ہے۔کیا آپ کو اختیار ہوتا ہے کہ آپ کوئی کام کرنا چاہیں یا نہ کرنا چاہیں؟مثلاً آپ یہاں بیٹھے ہیں تو کیا اپنی مرضی سے بیٹھے ہیں یا زبردستی بٹھائے گئے ہیں؟کوئی ہتھکڑی تو نہیں لگی ہوئی؟ کوئی بیڑیاں وغیرہ؟طوق ڈال کے کسی نے بٹھایا ہو؟اگر آپ اپنے ذاتی اختیار سے بیٹھے ہیں تو کیا اس پہ اجر نہیں ملنا چاہیے؟اس سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ ذاتی اختیار سے کیا جانے والا کام ہے۔کام کس نے کیا؟انسان نے،لہٰذا اجر بھی انسان کو ملنا چاہیے۔یہ غلط فہمی ہے کہ اگر نیکی کا کام ہے تو اس میں انسان کا دخل نہیں ہے،یہ رحمان کا کام ہے۔رحمان نے راستہ دکھادیا،رحمان نے توفیق دے دی، توفیق رحمان کی طرف سے ہی ملتی ہے اور کرتا انسان خود ہے،اسی لیے تو اجر ہے اور ایسے ہی برائی کا کام ہے۔برائی کا کام بھی شیطان نہیں کرتا،انسان ہی کرتا ہے، شیطان تو قیامت کے دن کہے گا کہ میں نے تو اسے دعوت دی تھی،میرا اس پہ کوئی زور نہیں چلتا تھا۔کرتا انسان خود ہے۔چونکہ انسان کا اختیار ہے،اس لیے انسان امتحان میں ہے اور اسی وجہ سے ایک انسان کو اجر یا سزا ملے گی۔

طالبہ: خیر کی دعوت دینے کی جہاں تک بات ہے تو خیر سے محبت اور دلچسپی تو ہے لیکن ہر بندے کی صلاحیتیں مختلف ہیں۔اب اگر وہ دعوت دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو پھر وہ کس طرح اس کام کو لے کر چل سکتا ہے؟

استاذہ: بات یہ ہے کہ وہ پوری طرح شیطان کے نرغے میں ہے کیونکہ اسے شیطان نے یہ باور کروادیا کہ تمہارے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے۔یعنی وہ بھی ایک رنگ

میں آتا ہے، کبھی دوسرے میں اور روکنا کس سے چاہتا ہے؟ اپنی اصلاح سے۔ دوسروں کو جو شخص دعوت دے وہ دراصل اپنا فائدہ کرتا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ اگر وہ انسان صلاحیت نہ رکھتا ہو تو یہ رب پہ الزام ہے، کیوں؟ ربّ العزت نے فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:110)

''تم سب وہ بہترین گروہ ہو جنہیں لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے''۔

Exceptional Case ایک بھی نہیں ہے، ہر ایک نے یہ کام کرنا ہے۔ مجھے یہ بات اتنا appeal کرتی ہے کہ یہ اُمت ایسی ہے ہی نہیں جسے گھروں میں بٹھایا گیا ہو۔ اُخْرِجَتْ نکالا گیا، ایسا لگتا ہے جیسے سب پردے کے پیچھے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایک ایک کو سامنے لا کر کہہ رہے ہوں کہ آئیں آپ call دیں، آپ بھی، آپ بھی، اُخْرِجَتْ خود چاہیں یا نہ چاہیں، اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ جنہیں نکالا گیا ہے لوگوں کے لیے، انسانیت کے لیے نکالا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نکال رہے ہیں، نکل آئیں اور اپنے وسوسے اور خیال سے نکل آئیں، اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں اور اگر ایک انسان اپنے اندر کمزوری پاتا ہے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام والا طریقہ اختیار کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ربّ سے یہ کہا تھا کہ میری زبان چلتی نہیں ہے اور میں نے آلِ فرعون کا ایک جرم بھی کیا ہوا ہے، آپ میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو میرا مددگار بنا دیجیے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا تھا کہ آپ کہو:

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ (طٰہٰ:25-28)

''اے میرے ربّ! میرا سینہ کھول دیجیے اور میرے لیے میرا کام آسان کر دیجیے اور میری زبان کی گرہ کھول دیجیے تاکہ وہ (لوگ) میری بات

سمجھ سکیں''۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں، وہ مواقع دے گا۔ اصل میں نئی change کو accept کرنا انسان کے لیے مشکل ہوتا ہے کہ اس کو اپنے لائف اسٹائل میں کیسے شامل کر لیں تو اس کام کو چونکہ سوسائٹی میں اس انداز میں دیکھا نہیں، ایسا لگتا ہے کہ کھانا بنانا، کھلانا یا گھر کو manage کرنا، یہ تو ہماری ذمہ داریوں میں سے ہے، سارے گھروں میں ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اب اگر سارے گھروں میں ایسا ہی ہونا شروع ہو جائے تو ظاہر ہے کہ عجیب تو لگے گا، اس میں ساری ذمہ داریوں کو manage کرنا یہ تھوڑا سا difficult ہے کہ صحت بھی ٹھیک نہیں، باہر نکلیں گے تو بچوں کی اسٹڈیز ہیں۔ پھر کیا کریں؟ پھر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں، اس لیے کہ ایک call دینے کے لیے آپ کے پاس ہزاروں راستے ہیں، ضروری نہیں کہ آپ ہر وقت باہر ہی نکلے رہیں۔ آپ اس کے لیے گھر پہ بیٹھے رہیں، آپ اس کے لیے کسی کو ٹیلیفون کال کر سکتے ہیں، نیٹ سے messages دے سکتے ہیں۔ جس نے ذمہ داری لینی ہے اس نے اس کے لیے راستے بھی نکالنے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ اور یہ نعمتوں کا کفران ہے، اگر ایک انسان اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتا کہ اس نے مجھے یہ صلاحیت دے رکھی ہے اور وہ کہے کہ میرے اندر صلاحیت نہیں ہے۔ یہ انکار ہے اور انکار کو کفر کہتے ہیں۔ یہ کوئی ایک انداز سے نہیں ہوتا، جو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس کو ماننا ہے اور اس پر اس کا شکر بھی ادا کرنا ہے اور شکر ادا کرنے کا تو بڑا طریقہ ہی یہی ہے کہ:

وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ (الضُّحیٰ: 11)

''جو نعمت اللہ تعالیٰ نے آپ پر کی ہے آپ اس کو بیان کریں''۔

لوگوں کے سامنے اس کا اظہار کریں۔

طالبہ: شیطان کے وار اتنے ہیں کہ ہر وقت کوئی بھی کام کر رہے ہوں وہ ہمیں بہکاتا ہے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے تھے کہ ان کو دیکھ کے شیطان راستہ چھوڑ دیتا تھا۔ ان کا کیسا ایمان تھا، کیسا عمل تھا؟ ہمیں تھوڑا سا ویسا گائیڈ کر دیں کہ ہم بچ جائیں۔

استاذہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کی دو تین مثالیں دوں گی، اخذ آپ خود کریں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ! مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو اپنے لیے جائے نماز بنالیں، آپ ﷺ نے تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن وحی نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (البقرہ:125)

''آپ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو نماز کی جگہ بنالو''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اندر ایسا کیا تھا؟ کسی نے مشورہ نہیں دیا اور عمر رضی اللہ عنہ مشورہ دیتے ہیں۔ کسی چیز کے بارے میں مشورہ وہ دیتا ہے جس کو خیال آتا ہے، جو repeatedly سوچتا ہے، جس کا دل تسلیم کر لیتا ہے کہ یہ طریقۂ کار بہتر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غور و فکر کرتے تھے، معاملات کا جائزہ لیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صاحبِ فہم تھے، صاحبِ شعور تھے، شعور سے کام لیتے تھے اس لیے شیطان کے حیلوں کو، اس کے مکر کو پہچانتے تھے۔

پھر ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر میری بات آپ ﷺ کی ازواج کے بارے میں مانی جائے تو میری آنکھیں انہیں کبھی نہ دیکھیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حجاب کا حکم نازل کر دیا، صرف ازواجِ مطہرات ہی کے لیے نہیں بلکہ ساری مسلمان خواتین کے لیے۔ آپ کو اس بات میں کیا دکھائی

دیتا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فہم، ان کی حکمت، ان کا شعور، وہ گہری نظر رکھتے تھے کہ معاملات کے اندر خرابیاں کہاں سے آتی ہیں؟ اور خرابی کو محسوس کر کے پھر اس کے حل بارے میں مشورہ دیتے تھے۔ اٹھارہ ایسے احکامات ہیں جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رائے پہلے دی اور اللہ تعالیٰ کا حکم بعد میں آیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ صاحبِ فہم تھے، صاحبِ شعور تھے، حکمت والے تھے، اسی وجہ سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی تھی کہ یا اللہ! انہیں اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔ یہ شعور ہی انسان کو شیطان کے شر سے، اس کے وار سے، اس کی چالوں سے، اس کی تدابیر سے بچاتا ہے۔ دل کے اندر خیر یا شر کا ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا اپنی کوشش ہے؟ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰهَا (الشمس:8)

''پھر انسان کو اس کی نیکی اور اس کی بدی (اس کا خیر اور اس کا شر) الہام کر دیا''۔

فطری طور پر یہ انسان کے اندر موجود ہے۔ اس میں اضافہ اپنی کوششوں سے ہوتا ہے، اللہ کے کلام کے توسط سے۔ خیر اور شر کی یہ فطری صلاحیت انسان کو help کرتی ہے لیکن اتنا زیادہ نہیں کہ انسان کے لیے انبیاء علیہم السلام کی، مرسلین علیہم السلام کی، دعوت دینے والوں کی ضرورت باقی نہ رہے یا اتنا زیادہ help نہیں کرتی کہ انسان علم کے بغیر صرف اندر کی call پر یا صرف اس خیر اور شر کے مادے کے اندر ہونے پر یا اس کی پہچان اندر ہونے پر گزارا کر سکے۔ اس لیے اس میں اضافہ کرنے کے لیے علم کی ضرورت ہوتی ہے، اس میں اضافہ کرنے کے لیے دعوت دینے والوں کی دعوت پر لبیک کہنے کی ضرورت ہوتی ہے اور علم کے راستے پر چلنے کی ضرورت ہوتی

ہے۔Strengthen کرنے والے external factors یعنی علم اور دعوت internal factors کو قوت دیتے ہیں، ان کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔

ہم بات کررہے تھے دل کے حالات کی کہ دل کے اندر تبدیلی آتی ہے۔ دل بسا اوقات کسی ایک کام پر ثابت قدم ہو بھی جاتا ہے لیکن اس کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ اس وقت جب آپ ﷺ سے لوگوں نے سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ کا دل بھی بدلتا رہتا ہے؟ ہمارا تو دل بدلتا ہے آپ کے دل کا کیا حال ہے؟ میں اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ کسی نے یہ سوال کر لیا رسول اللہ ﷺ سے اور سارے انسانوں پر واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے دل کی کیا کیفیت ہوتی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں کس وجہ سے بے خوف ہو جاؤں جبکہ دل باری تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے بدل دیتا ہے۔ میں اپنے بارے میں بے خوف نہیں ہو سکتا''۔ (احیاء العلوم)

مستدرک حاکم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ملتے ہیں:

''اگر وہ سیدھا کرنا چاہتا ہے تو سیدھا کر دیتا ہے اور ٹیڑھا کرنا چاہتا ہے تو ٹیڑھا کر دیتا ہے''۔

مستدرک حاکم اور بیہقی کی روایت ہے حضرت ابو عبیدہ الجراح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''دل کی مثال چڑیا جیسی ہے کہ ہر وقت لوٹ پوٹ ہوتی رہتی ہے''۔

چڑیا کو دیکھیں ایک جگہ ٹھہر نہیں سکتی، ادھر ادھر ہلتی رہتی ہے، اپنی جگہ پہ رکتی نہیں ہے، اسی طرح دل بھی رکتا نہیں ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ایک اور مثال دی۔ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''دل کی مثال بدلنے میں ہانڈی جیسی ہے جس وقت اس میں خوب جوش آتا ہے''۔ (مسند احمد، مستدرک حاکم)

آپ دیکھیں کہ ہانڈی کی کیفیت بھی کتنی تیزی کے ساتھ بدل رہی ہوتی ہے اور کتنا جوش ہوتا ہے، اس کی ایک جیسی کیفیت نہیں رہتی۔ تیسری مثال آپ ﷺ نے دی، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''دل کی مثال ایسی ہے جیسے ہوا میں پر ہیں جنہیں ہوائیں الٹ پلٹ کرتی رہتی ہیں''۔ (طبرانی، بیہقی)

دل کی تبدیلی کی بات تو پتہ چلی کہ دل ایک جگہ ٹکتا نہیں ہے، بدلتا رہتا ہے لیکن ایک مومن کا کام یہ ہے، جس کو اپنی اصلاح کی ضرورت ہے کہ وہ دل کی ادلتی بدلتی خصوصیات اور کیفیات میں دل پر نگران رہے، اپنے دل کی نگرانی کرنے کے قابل ہو اور دل کی نگرانی کرے۔ دل بدلتا ہے اور دل کے بدلنے کے اعتبار سے دل کی تین قسمیں ہیں:

☆ پہلی قسم کا دل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے بھرا ہوا ہے، ایسا دل جس کے اندر تقویٰ ہے، خدا کا نور ہے، جس نے اشیاء کی حقیقت کو پہچانا ہے، جس نے اپنے ربّ کی ذات کو پہچانا ہے۔ ایسا دل پاک، صاف اور شفاف ہوتا ہے۔ اس دل میں چونکہ اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے لہٰذا یہ شیطان کا کوئی وسوسہ قبول نہیں کرتا کیونکہ اسے ڈر لگ جاتا ہے کہ شیطان نے مجھے پھر گھیر لیا، پھر پکڑ لیا لیکن میں نے اس کے قابو میں نہیں آنا۔ یہ شیطان کے وسوسوں سے اپنے آپ کو بچاتا ہے اور پاک رہتا ہے۔

پھر آپ دیکھئے کہ شیطان کوئی ایک نوعیت کا وسوسہ نہیں ڈالتا، وہ دل کے اندر کسی کے خلاف کوئی خیال پیدا کرتا ہے اور انسان بدگمان ہو سکتا ہے، جھٹک دے تو بدگمانی سے بچ گیا اور ایک بدگمانی سے بچا تو غیبت سے بچ گیا، طعنہ دینے سے بچ گیا، کسی کے بارے میں

مسلسل برا سوچنے سے بچ گیا۔اسی طرح بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ شیطان انسان کو برائی کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے دل میں اس برائی کو اچھا بنا کر پیش کرتا ہے لیکن جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے، وہ حقیقت کو پالیتا ہے کہ نہیں، اصل بات جو نظر آ رہی ہے یہ نہیں ہے، سچ والی بات کچھ اور ہے۔لہٰذا وہ شیطان کے وار سے بچ جاتا ہے، نافرمانی کرنے سے بچ جاتا ہے۔دل پاک ہو تو دل کی پاکیزگی کی وجہ سے انسان کے اعمال بھی پاک ہو جاتے ہیں۔پاکیزگی کا راستہ ہی یہی ہے، دل کی پاکیزگی۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو مبعوث فرمایا کہ دل پاک ہو جائیں۔رسول اللہ ﷺ کے مشن کے حوالے سے چار بنیادی کام ہیں۔اگر ہم دیکھنا چاہیں تو بڑا کام کیا ہے؟

وَيُزَكِّيهِمْ (البقرۃ:151)

”وہ (ان کے قلوب، ان کے دلو، ان کی زندگیوں کو) پاک کرتا ہے“۔

یہ پاکیزگی ان کے دل کی پاکیزگی ہے سب سے پہلے انسان کے اندر خیال پروان چڑھتے ہیں۔ان کی پاکیزگی ہے کہ ایک انسان کو وسوسہ تنگ نہ کرے۔یہ ممکن نہیں ہے کہ وسوسہ نہ آئے لیکن یہ ممکن ہے کہ وسوسہ آئے تو انسان اسے جھٹک دے۔مثلاً آپ کے گھر پہ کوئی فقیر آ سکتا ہے، کوئی مہمان آ سکتا ہے، دشمن بھی آ سکتا ہے اور دوست بھی آ سکتا ہے۔ آپ کے گھر کی بیل تو کوئی بھی بجا سکتا ہے لیکن یہ آپ کی چوائس ہے کہ آپ کسی کو اپنے گھر میں آنا allow کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر آپ اجازت دیں گے تو کوئی گھر کے اندر آجائے گا لیکن اگر آپ گیٹ ہی نہیں کھولتے تو کوئی گھر کے اندر کیسے آئے گا؟ اسی طرح دل بھی خدا کی بستی ہے۔اس کے اندر شیطان کے وسوسے کو آنے نہیں دینا۔یہ پاک بستی ناپاک ہو جاتی ہے جب شیطان کے وسوسے اس کے اندر آتے ہیں۔

دل کے اندر جو تبدیلی آتی ہے اس میں دیکھئے کہ فیصلہ دل نے کرنا ہوتا ہے کہ کوئی

خیال جو انسان کے ذہن کے اندر آیا، اچھا ہے یا برا؟ یہ تقویٰ، اللہ تعالیٰ کا ڈر، یہ نورِ بصیرت ہے، اس سے انسان شناخت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے انسان پہچان جاتا ہے کہ یہ بات اچھی ہے یا بری؟ خیر ہے یا شر؟ حق ہے یا باطل؟ جب اسے پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ درست نہیں ہے، یہ بری بات ہے تو اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والا انسان بچ جاتا ہے۔ جس کا دل اللہ تعالیٰ کے خوف سے بھرا ہوا ہے، اس کے دل میں برے وسوسے جگہ نہیں پا سکتے۔ اب اپنے دل کا جائزہ لیں کہ اب شیطان تو آئے گا ہی، وسوسے تو آئیں گے ہی اگر جگہ دی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جگہ دے دے۔ خاص طور پر برائی سے بچنے کے لیے شیطان کے وسوسوں سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہر طرح کی غلطیوں پر توبہ کرنی چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دیں اور ہم اپنے دل کو پاک کرنے والے بن جائیں، اپنے آپ کو بچانے والے بن جائیں۔ (آمین)

دل کے اوپر کام کرنے والی دو قوتیں ہیں۔ ایک طرف فرشتے کام کرتے ہیں اور دوسری طرف شیطان کام کرتا ہے۔ شیطان کام کرے تو دل کے اندر گھبراہٹ پیدا ہوتی ہے، بے چینی پیدا ہوتی ہے، اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ جب فرشتے کام کرتے ہیں تو دل میں نیکی کا خیال آتا ہے، انسان کے دل کے اندر ایک تسکین اترتی ہے لیکن انسان پھر ایک عجیب کشمکش میں آجاتا ہے۔ جب ایک سے زائد نیکی کے کام مختلف فرشتوں کی جانب سے اس کے دل کے اندر آتے ہیں تو اس کے ذہن میں آتا ہے کہ کون کون سے نیکی کے کام کروں؟ ایک انسان جب ترجیحات کا تعین لیتا ہے تو گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر دل کے اندر نیکی کے حوالے سے مسائل پیدا ہو رہے ہیں، چونکہ دل اللہ تعالیٰ کے خوف سے، تقویٰ سے معمور ہے اور تقویٰ ہونے کے باوجود اگر گھبراہٹ پیدا ہو رہی ہے تو اس میں صرف یہ ہے کہ نیکی کا وہ کام postpone نہ کریں، ترجیحات کا تعین کر لیں تو اس میں کام

ہونے آسان ہو جاتے ہیں۔اس وقت میں جو بات آپ کو کہنا چاہتی ہوں وہ یہ کہ وسوسوں کا اثر تو اس دل پر بھی ہوتا ہے جو نیکی سے معمور ہوتا ہے،شیطان کے وسوسے اور شیطان کی کوششیں ایسے دل کے لیے بھی جاری رہتی ہیں جو نیکی سے بھرا رہتا ہے،اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہے،شفاف دل ہے اس لیے تصویر جلدی بن جاتی ہے،شیطان کے وسوسے کی سمجھ جلدی آ جاتی ہے۔اس لیے دل کو شفاف رکھنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى

(اللیل:5-7)

''جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال دیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرا اور اچھی بات یعنی اسلام کو سچا سمجھا تو اس کے لیے ہم راحت کا سامان کریں گے یعنی اس کے معاملات کو آسان کر دیں گے''۔

آسانیوں کا راستہ تقویٰ کا راستہ ہے،اللہ تعالیٰ کے خوف کا۔آسانیوں کا راستہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا راستہ ہے۔جو انسان خود کوشش کرتا ہے،اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کے لیے آسانیاں پیدا کر دی جاتی ہیں۔اللہ تعالیٰ کا خوف بہت بڑی چیز ہے۔اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے دل درست جگہ پر قائم رہتا ہے۔جس دل کے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے اس کو ایک ایک چیز فائدہ دیتی ہے،ذکر بھی،دُعائیں بھی،صلوٰۃ بھی اور دوسروں کے ساتھ حسنِ معاملہ بھی۔ہر نیکی چونکہ اس کی خواہش بن جاتی ہے،اس کی تمنا،اس کا ارادہ بن جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے،اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے یہ کام کرنا چاہتا ہے اس لیے دل بہت تسکین محسوس کرتا ہے جس وقت ایسا شخص نیکی کا کام کرتا ہے۔ربّ العزت نے فرمایا:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد:28)

’’خبردار رہو یقیناً اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہی دلوں کا اطمینان ہے‘‘۔

نیکی کے سارے کام اللہ تعالیٰ کی یاد کی صورتیں ہی ہیں۔ انسان جب practically اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو یہ بڑی بات ہے۔ یہ یاد انسان کو کتنا اطمینان دیتی ہے؟ ربّ العزت فرماتے ہیں:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (الفجر: 27)

’’اے اطمینان والی جان!‘‘

پھر وہ وقت آتا ہے کہ انسان نیکی پہ بالکل satisfied ہو جاتا ہے۔

ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (الفجر: 28)

’’لوٹ چلو اپنے رب کی طرف، تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی‘‘۔

توجہ طلب بات ہے: ارجعی لوٹ چلو۔ کب؟ کیا جان دے سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کو؟ جا تو اللہ تعالیٰ کی طرف رہے ہیں، پھر یہ ارجعی سے کیا مراد ہے؟ لوٹ چلو یعنی کوئی بھی معاملہ ہو، کوئی بھی کام ہو، کوئی خیال آئے تو خیال کا رخ کس کی طرف موڑ دیں؟ اللہ تعالیٰ کی طرف۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے۔ یہ رجوع الی اللہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہونے کا اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا طریقہ ہے کہ انسان پھر اپنی ذاتی رائے سے، اپنے دل کی خواہش سے، اپنی مرضی سے فیصلے نہ کرے۔ ربّ کی مرضیکو ہمہ وقت سامنے رکھے۔ ربّ کی مرضی کہاں سے پتہ چلتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے، اللہ کے رسول ﷺ کی سنت سے۔ اگر نیکی کا کام کرنا بھاری محسوس ہو رہا ہے تو ارجعی الی ربک اپنے رب کی طرف لوٹ چلو، راضیة تم خوش ہو جاؤ گے، راضیة مرضیة اللہ تعالیٰ بھی راضی آپ بھی راضی، آپ بھی satisfied۔ اللہ تعالیٰ سے مشورہ لینا بہت ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کی مرضی معلوم کرنا بہت ضروری ہے اور اس کا طریقۂ کار کیا ہے؟ اسی آیت کے اندر ربّ العزت

نے فرمایا:

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ (الفجر:29)

''میرے بندوں میں، نیک بندوں میں شامل ہو جاؤ''۔

یعنی جو میرے خاص بندے ہیں، جو میرا کام لے کر اٹھے ہیں، ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ، ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ نہ بنانا۔

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ

''داخل ہو جاؤ میرے بندوں میں''۔

کیوں داخل ہو جائے؟ یہ رجوع الی اللہ ہے، اور کیوں داخل ہو جائے؟

وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (الفجر:30)

''اور میری جنت میں داخل ہو جاؤ''۔

گویا اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مشن میں نیک لوگوں کے ساتھ شامل ہونا ہی دراصل جنت میں داخل ہونا ہے۔ یہی جنت کا راستہ ہے۔ یہ ہے بنیادی بات جو اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے۔ یہ دلوں کے اطمینان کا راستہ ہے۔ جب جب نیک لوگوں یا اللہ تعالیٰ کے بندوں سے cut off ہونے کی بات ہوگی تو دل گھبرائے گا، پریشان ہوگا۔ یہ آیت ضرور یاد رکھئے:

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ

''میرے بندوں میں داخل ہو جاؤ اور میری جنت میں داخل ہو جاؤ''۔

میرے بندوں کے ساتھ مل کر تم حق کا کام کرو گے تو میں جنت کے دروازے تمہارے لیے کھول دوں گا۔ اس لیے اگر اپنی جنت میں جانا ہے تو میرے بندوں میں شامل ہو جاؤ۔

یہ ایسے دل کا معاملہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہے۔ اس خوف کا سب سے بڑا فائدہ کیا ہوتا ہے؟ انسان کو اس کا فائدہ یوں crystal clear نظر

آنے لگتا ہے، صاف صاف کہ یہ شیطان کی سازش ہے، اس طرح اس نے مجھے گھیرا، انسان analyse کرنے لگتا ہے اور پھر نیکی کے کام کرتا چلا جاتا ہے۔ دل اطمینان محسوس کرتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے انسان کے لیے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ اس پر صادق آجاتے ہیں۔ فرمایا:

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (الفجر: 27)

''اے نفسِ مطمئنہ!''

نفسِ مطمئنہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے قوانین پر مطمئن ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا طریقۂ کار یہی ہے:

1۔ ارجعی الیٰ ربک کوئی کام کرنا ہے تو ربّ سے پوچھو کہ کرلوں یا نہیں؟

2۔ فادخلی فی عبادی اللہ تعالیٰ کا کام کرنے کے لیے اس کے بندوں کے ساتھ شامل ہو جائیں۔

3۔ وادخلی جنتی یہ result ہے، پھر میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔

یہ پہلا دل ہے۔ یہ مبارکباد کا مستحق دل ہے۔ یہ دل اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ ایسے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے۔ یہ تقویٰ سے معمور دل ہے، ڈرتا بہت ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائیں، کہیں میرا کوئی کام اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب نہ بن جائے، اس لیے ہر کام پر وہ دل alert رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا ہے کہ وہ ہمارے دلوں کو تقویٰ سے معمور کر دے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْهُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی (صحیح مسلم: 6904)

''اے اللہ! میں آپ سے ہدایت، تقویٰ، پاکدامنی اور غنا کا سوال کرتا ہوں''۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں اپنا ایسا ڈر عطا فرمائے جس کی وجہ سے ہمارے اور ہمارے گناہوں کے درمیان مشرق اور مغرب کا بُعد پیدا ہو جائے۔

☆دوسرا دل ہے خواہشاتِ نفس سے بھرا ہوا دل۔ جیسے رات اور دن میں فرق ہوتا ہے، جیسے روشنی اور اندھیرے میں فرق ہوتا ہے، جیسے کھرے اور کھوٹے میں فرق ہوتا ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور خواہشات میں مبتلا دل میں بھی فرق ہوتا ہے۔ یہ دو totally opposite، بالکل مختلف نوعیت کے دل ہیں۔ یہ ایسا دل ہے جس میں ہر دم، ہر لحہ خواہشات آتی ہیں اور وہ خواہشات کو اپنے اندر سجالیتا ہے۔ وہ ہر خواہش کو پورا کرنا چاہتا ہے اور کبھی اس کی خواہشات ختم ہی نہیں ہوتیں۔ جیسے غالب نے کہا:

ے ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

یہ ایسا دل ہے جس کے اندر خواہشات نے بسیرا کر لیا۔ یہ دل خواہشات کی آماجگاہ ہے۔ دیکھیے پہلا دل ایسا تھا جو اللہ تعالیٰ کے لیے اتنا شفاف اور پاک ہو گیا کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی بستی بنا دیا، اب وہاں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد رہتی ہے۔ شفاف دل میں ہی اللہ تعالیٰ کی یاد رہ سکتی ہے۔ جہاں گندگی ہو گی وہاں سے اللہ تعالیٰ کی یاد تو اٹھ جائے گی اور یہ ایسا دل ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی یاد آتی ہی نہیں۔ جب کبھی بھی کوئی خیال آتا ہے خواہش کا ہی آتا ہے، کوئی نہ کوئی خواہش جس کو وہ پورا کرنا چاہتا ہے۔ اس دل کے اندر گناہوں کی کھٹک بہت کم شاذ و نادر ہی پیدا ہوتی ہے کیونکہ خواہش پرستی اس کھٹک کو بھی دور کر دیتی ہے، اسے وہ انسان کے اندر ٹھہرنے نہیں دیتی۔ اگر کہیں کسی غلطی پر پشیمانی ہونے بھی لگے تو فوراً اس کو عقل help کرتی ہے کہ اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے، ساری دنیا میں جتنے افراد خواہشات سے رُک کے بیٹھے ہیں دیکھو اُن کا کیا حال ہو گیا؟ اور اکثریت تو خواہش کے راستے پر چل رہی ہے تو تم ان کے ساتھ ہی ہو، اور اللہ تعالیٰ تو غفور و رحیم ہے، اب اللہ تعالیٰ نے سب کو جہنم میں تو نہیں

پھینکنا، اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق کو، اس نسل کو جہنم کی آگ کے لیے تھوڑی پیدا کیا تھا؟ ٹھیک ہے اب خواہشات بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کردہ ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارا دل ایسا نہ بناتا، اب دل چاہتا ہے تو ہم کیا کریں؟ کرنا کیا ہے، صبر کریں، ذرا کنٹرول کرلیں لیکن یہ دل کنٹرول نہیں کرتا، اپنی بات پہ بھرپور طریقے سے قائم ہے۔ عقل اور زیادہ اپنی خواہشات کے پیچھے بھاگنے پہ مجبور کرتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عقل جب ایسے دل کے ساتھ ہو جاتی ہے تو انسان کے پاس کوئی اور ہتھیار نہیں رہ جاتا، انسان بھی پھر بِچھ جاتا ہے۔

انسان جب کبھی بھی اپنی خواہشات کے پیچھے لگتا ہے سب سے گہرا اثر اس کی عقل پہ ہوتا ہے، اس کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے اور اس کے لیے decisions کرنے بہت مشکل ہو جاتے ہیں کیونکہ عقل تو انسان کی خادم ہے، اس کو چاہیں تو درست طریقے سے استعمال کر لیں اور چاہیں تو غلط طریقے سے استعمال کرلیں۔ عقل انسان کی مشیر ہے اور دل بادشاہ ہے۔ آپ نے ابتداء میں پڑھا تھا کہ دل بادشاہ ہے اور عقل اس کا مشیر ہے۔ آپ دیکھیے کہ کئی مشیر اس نوعیت کے ہوتے ہیں کہ جیسے بادشاہ کی مرضی ہو، ویسے فیصلے دینے لگ جاتے ہیں، عقل اسی طرح کا کردار ادا کرتی ہے، وہ دیکھ لیتی ہے کہ دل کیا چاہتا ہے؟ اگر دل کے اندر خواہش کا بسیرا ہے تو عقل ویسے ہی مشورے دینا شروع کر دیتی ہے۔ عقل اگرچہ اچھے اور برے کے دریان differenciate کرسکتی ہے لیکن دل کی خواہش پرستی کی وجہ سے اس کے اندر یہ صلاحیت باقی نہیں رہتی، ختم ہو جاتی ہے۔

کبھی آپ نے کوئی ایسی جگہ دیکھی ہو جہاں ہر طرف دھواں پھیلا ہوتا ہے تو اس دھوئیں میں صحت مند انسانوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ دھوئیں سے آنکھوں میں پانی آتا ہے، کھانسی آتی ہے، چھینکیں آسکتی ہیں، آنکھیں خود سے خود بند ہوتی ہیں اس لیے کہ دھوئیں کی کڑواہٹ کو آنکھیں بھی برداشت نہیں کرسکتیں۔ اسی طرح یہ خواہشاتِ نفس بھی دھوئیں کی طرح ہیں۔

انسان کے اردگرد دھواں اس طرح بھر جاتا ہے کہ عقل کو کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ یہ خواہشاتِ نفس کا دھواں ہے جو عقل کو اندھا کر دیتا ہے اور جس وقت انسان اس طرح خواہش پرستی میں مبتلا ہوتا ہے تو عقل کو فیصلہ کرنے کی مہلت نہیں ملتی۔ یوں انسان اپنی خواہشات میں اور برے طریقے سے مبتلا ہو جاتا ہے، وہ اس راستے پر اور تیز بھاگنے لگتا ہے۔ ربّ العزت نے فرمایا:

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ (الفرقان:43)

''کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا خدا بنالیا ہو''؟

کیا آپ نے ایسے شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا خدا بنالیا ہو؟ کیا آپ اس کی نگرانی کر سکتے ہیں؟ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں؟ وہ تو چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ چوپایہ اپنی ہمت، طاقت کے مطابق جو اس نے کرنا ہوتا ہے وہ کرتا ہے لیکن جس انسان کی عقل ماؤف ہوگئی اس کے پاس کچھ بھی نہ بچا، وہ تو جانوروں سے بھی برے ہیں۔ اسی طرح ربّ العزت فرماتے ہیں:

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (یٰسٓ:7)

''ان میں سے اکثر لوگوں پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے لہٰذا یہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے''۔

اسی طرح ربّ العزت نے فرمایا:

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (یٰسٓ:10)

''ان کے لیے برابر ہے آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے''۔

اس لیے کہ خواہش پرست ہیں۔ وہ اپنی خواہش پر ایمان لا چکے، انہوں نے مان لیا، یقین کر لیا، ان کا اعتقاد اپنی خواہش پر ہے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھیں تو خواہش انسان کو

کہاں لے جاتی ہے؟ ربّ کی نافرمانیوں تک۔ خواہش انسان کو اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق بنا دیتی ہے اور اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی تھی جس کا استعمال ممکن نہ رہا، دوسری طرف شیطان تھا جس نے باہر سے call دی اور خواہش پرست انسان نے اس کو accept کر لیا۔ پھر خیر کی دعوت دینے والے لوگ جتنا بھی پکارتے رہیں، آوازیں سنائی ہی نہیں دیتیں، دل پہ اثر ہی نہیں ہوتا۔ ایک ہی چیز کا خیال ہے کہ اپنی خواہش پوری کر لیں۔ چونکہ حق کا راستہ نظر نہیں آتا لہٰذا ایسے لوگ جھٹلا دیتے ہیں۔ یہ دوسری نوعیت کا دل ہے۔ پہلی نوعیت کا دل کیسا تھا؟ اللہ تعالیٰ کے خوف سے بھرا ہوا اور دوسری نوعیت کا دل ہے خواہشات سے بھرا ہوا۔

☆ تیسرا دل ایسا ہے جو خواہشات اور ایمان کے بین بین ہے، خواہشات اور ایمان کے درمیان۔ یہ ایک پریشان دل ہے۔ اس کے اندر شیطان کی طرف سے وسوسے بھی آتے ہیں اور فرشتوں کی طرف سے اچھے خیالات بھی آتے ہیں یعنی نیکی کے خیالات۔ بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ ایک خیال، ایک وسوسہ شیطان کی طرف سے ہے اور ایک خیال یا ایک نیکی کی تحریک دینے والا سلسلہ فرشتے کی طرف سے تو ان دونوں کے درمیان یہ دل فرق نہیں کر پاتا۔ کبھی اس کا جھکاؤ ایک طرف ہوتا ہے کبھی دوسری طرف لیکن اگر باہر سے ایسے فرد کو حق کی دعوت دی جائے تو وہ شکر کرتا ہے کہ چلو ٹھیک ہے جان چھوٹی اور جان کس چیز سے چھوٹی؟ کہ اندر سے تو مجھے فیصلہ کرنا نہیں آ رہا تھا۔ اس کی وجہ سے یہ دل باہر سے دی گئی حق کی دعوت کو قبول کر لیتا ہے اور نیکی کے راستے پہ آ جاتا ہے لیکن اگر باہر سے کوئی برائی کی دعوت دے دے تو اس کا جھکاؤ برائی کی طرف ہو سکتا ہے، اس کے chaances بھی equally موجود ہیں۔

کبھی اس کے ساتھ یوں ہوتا ہے کہ شیطان کے وسوسے بڑھ جاتے ہیں، اب باہر

سے call آئے یا نہ آئے، جب ان کی تعداد زیادہ ہوگئی، جب شیطان کا پریشر بڑھا تو اس نے آگے بڑھ کے برائی کرلی اور اگر فرشتے کی طرف سے نیکی کی call زیادہ ہوگئی تو ایسی صورت میں اس نے نیکی کرلی۔ یوں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ ایک ایسا دل ہے جس کے اندر ایک طرف اگر ایمانی کیفیات موجود ہیں تو دوسری طرف شیطانی وسوسے بھی موجود ہیں، ایک طرف اگر نیکی کا خیال موجود ہے تو دوسری طرف بدی کے لیے وسوسے بھی موجود ہیں۔ یہ ایک پھنسا ہوا انسان ہے، ایک ایسا انسان ہے جو بہت پریشان ہے، جو آپ سے مدد کا خواستگار ہے، اللہ تعالیٰ سے بھی مدد کی درخواست کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسے انسانوں کے لیے دعوت کے سلسلے کو blessing بنا دیا۔ دعوت دینے والے باہر سے call دیں اور یہ اپنی خواہشات سے اور شیطان کے وسوسوں سے نکل آئیں اور ایمان کے راستے پہ چلنے لگیں۔

اگر دیکھا جائے تو معاشرے کے زیادہ تر افراد کس category سے تعلق رکھتے ہیں؟ جو علم حاصل کرنے والے ہیں وہ زیادہ تر علمی مجالس میں موجود رہتے ہیں اور باقی افراد زیادہ تر خواہشات سے بھرے ہوئے دل رکھتے ہیں لیکن پھر بھی دنیا میں ایسے بہت سارے افراد موجود ہیں جن کے اندر بہت خیر ہے لیکن اگر کسی پہ خواہشات حاوی ہوجاتی ہیں تو اس کا رزلٹ ضرور نکلتا ہے اور نیکی minimize ہوتی چلی جاتی ہے۔ ایسا ممکن نہیں ہے کہ ایک دل کے اندر دونوں چیزیں برابر صورت میں موجود رہیں، نیکی بھی اور بدی بھی، نفاق بھی اور ایمان بھی، کھوٹ بھی اتنا ہی ہو اور کھرا پن بھی اتنا ہی ہو۔ ایک بڑھتا ہے تو دوسرا کم ہوتا ہے۔ یہ کیفیت کس وجہ سے ہوتی ہے؟ اگر نیکی کا کام ہوجائے تو ایمانی لیول زیادہ ہوجاتا ہے اور اگر کوئی غلطی ہوجائے تو برائی کا لیول زیادہ ہوجاتا ہے۔ اس لحاظ سے ایسے فرد کی حالت کو اگر دیکھنا چاہیں تو دیکھئے کہ وہ اگر انفاق کرنا چاہے تو شیطان اس کے پیچھے لگ جاتا ہے، چھوڑتا نہیں ہے کہ دیکھو! اب یہی مال ہے، اس کو اگر تم نے یہاں لگا دیا تو تم گھر بھی بنانا

چاہتے ہو، بچوں کی اچھی ایجوکیشن کے بھی مسائل ہیں، یہاں لگا دیا تو پھر وہاں کا کیا کرو گے؟ لہٰذا وہ اتنا ستاتا ہے حتیٰ کہ اس کی مٹھی بند کر دیتا ہے۔

اسی طرح اگر ایسا شخص کوئی اچھا دوست پا لے یا اچھے لوگ یا نیکی کی طرف دعوت دینے والے لوگ اسے دعوت دیں تو اسے پشیمانی بھی بہت ہوتی ہے کہ میں نے یہ غلط خیال کیوں ذہن میں رکھا؟ کیوں اس کو دعوت دی، اب میں پریشان ہوں۔ اسی طرح ایسے شخص کے دل کے اندر نیکی کی تحریک ہوتی ہے، نیکی کے کام کی زیادہ خواہش پیدا ہوتی ہے تو وہ بھی کر لیتا ہے لیکن مستقل مزاجی اس کے اندر ہے ہی نہیں۔ کبھی نیکی، کبھی برائی، کبھی نیکی، کبھی برائی، دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہیں۔ اس لیے اس کیفیت کو سمجھنا بہت زیادہ ضروری ہے اور اپنے آپ کو diagnose کرنا کہ ہم کس گروہ میں شمار ہوتے ہیں؟ آیا ہمارا دل اللہ تعالیٰ کے خوف سے بھرا ہوا ہے یا خواہش پرست ہے یا ایمان اور خواہش دونوں ساتھ ساتھ موجود ہیں؟ پھر ایک انسان جب پہچان لیتا ہے تو اس کے مطابق اس کا علاج بھی ممکن ہو جاتا ہے۔

یہاں پہ خاص طور پر دیکھیں کہ ایسے دل پر شیطان کا ایک ہی حملہ ہوتا ہے کہ اس کے اندر نیکی کے کاموں کے لیے تنگی پیدا کر دے، اتنی گھٹن، اتنی پریشانی، اتنی تنگی کہ انسان نیکی سے بھاگ اٹھتا ہے، کہتا ہے: کرنا چاہتا ہوں لیکن دم گھٹتا ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم قرآن سننا چاہتے ہیں لیکن ہمارا دل بہت زیادہ بے قرار ہو جاتا ہے، پریشان ہو جاتا ہے، اس لیے ہم وہاں سے اٹھ جاتے ہیں۔ ایک خاتون نے مجھ سے کہا کہ میں قرآن پڑھنا چاہتی ہوں لیکن میری کیفیت خراب ہو جاتی ہے، میں جب بھی قرآن اٹھاتی ہوں تو مجھے اتنی زیادہ جمائیاں آتی ہیں کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، میرے لیے ممکن ہی نہیں رہتا کہ میں اللہ کی کتاب پڑھ لوں۔ آپ کا یہ کہنا ہے کہ اللہ کی کتاب کو سیکھنا چاہیے تو میرے

لیے کیسے ممکن ہوگا؟ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں، اس سے مدد مانگیں، آپ دُعائیں کریں گی اور استغفار کریں گی تو اللہ تعالیٰ معاف کریں گے۔ ممکن ہے کوئی ایسی غلطی ہوئی ہو جس کی وجہ سے کتاب سے دور ہوں۔ الحمدللہ اب انہوں نے پورا قرآنِ پاک ترجمہ اور تفسیر سے پڑھ لیا ہے اور mostly جب ٹیسٹ ہوتے تھے تو سب سے اچھے marks بھی انہی کے ہوتے تھے۔ یہ شیطان کی طرف سے گھبراہٹ تھی اور پریشانی بھی بہت تھی۔ میں نے ذاتی طور پہ observe بھی کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے چانس دیا اور الحمدللہ اس چانس سے فائدہ اٹھایا لیکن پھر ہمت کرنی پڑتی ہے۔

ایسے دل کو وسوسے بہت زیادہ پریشان کرتے ہیں اور شیطان کا وار ایسے دل پر زیادہ چلتا ہے۔ اسی وجہ سے ضیقِ صدر کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے لیکن سینے کے اندر کشائش پیدا ہونے کی side wise گنجائش ابھی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دو دلوں کی مثالیں دی ہیں، کلامِ پاک میں فرمایا:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ

(الانعام:125)

”جس فرد کو اللہ تعالیٰ ہدایت کے راستے پہ ڈالنا چاہتے ہیں اس کے سینے کو اسلام کے لیے کشادہ کر دیتے ہیں اور جس کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اس کے سینے کو اس قدر تنگ کر دیتے ہیں گویا کہ کوئی آسمان میں چڑھنا چاہ ہے“۔

آپ اوپر کی طرف تیزی سے جانا چاہیں تو انسان کا سینہ گھٹتا ہے۔ Practically بھی اگر دیکھیں تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ یہ فیصلے تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں کہ وہ کس کے دل کو کھولنا چاہتا ہے اور کس کے دل کو تنگ کرنا چاہتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کوئی جبر نہیں

ہے، دباؤ نہیں ہے۔ جو نیکی کے راستے پہ آنا چاہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے وہ دروازہ کھول دیتے ہیں اور جو بدی کے راستے پہ چلنا چاہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے وہ دروازہ کھول دیتے ہیں۔ اگر آپ ضیقِ صدر اور شرحِ صدر کی کیفیات کو سمجھنا چاہیں تو ایک مختصر کتاب آپ کی help کرے گی ''کس کا دل اسلام کے لیے کھلتا ہے؟'' اس سے آپ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اگر کوئی انسان یہ سمجھے کہ میں تو نیکی کے راستے پہ چلنا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہی مجھے ہدایت نہیں دیتا تو یہ الزام [blame] ہے۔ کوئی انسان اگر خواہش رکھے کہ ربّ کے راستے پہ چلنا ہے تو اس کے راستے میں مشکلات اور آزمائشیں ضرور آتی ہیں لیکن نیکی کا راستہ اس کے لیے ضرور کھل جاتا ہے، اللہ تعالیٰ دیکھتے ضرور ہیں۔

ایک شخص نے جو یہودی تھا پھر مسلمان ہوا رسول اللہ ﷺ سے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھ سے اس دین اسلام کو واپس پھیر لیجیے'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام کو واپس نہیں پھیرا جا سکتا''۔ اس نے کہا: اس سے مجھے کوئی خیر نہیں ملی، میں نے اسلام قبول کیا تو میں اندھا ہو گیا، میرا کاروبار ختم ہو گیا، میری اولاد فوت ہو گئی''۔

اب اگر دیکھا جائے تو وہ اگر اسلام نہ بھی قبول کرتا تو اولاد نے تو اپنے وقت پر فوت ہونا تھا یا اگر وہ اندھا ہو گیا تو اس میں اسلام کے قبول کرنے کا کیا دخل ہے؟ لیکن اس کے اندر یہ بات راسخ تھی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی تسلی اور دلاسے کے لیے ایک حقیقت کا اظہار کیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

''اسلام آدمی کو گلاتا ہے جیسے آگ سونے کو گلاتی ہے''۔ (صحیح مسلم)

جیسے سونا پگھلتا ہے تو کھوٹ الگ ہو جاتا ہے، دھاتیں پگھلتی ہیں اور ان کا کھوٹ الگ ہو جاتا ہے، اسی طرح یہ آزمائشیں، مصیبتیں، یہ دُکھ انسان کو خالص کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات

انسانوں کے اخلاص کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ طریقۂ کار اختیار کیا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرور اس انسان کی مدد ہوتی ہے جو اس کے راستے پہ چلنا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے محروم نہیں کرتے، یہ محرومی خود انسان کے اپنے فیصلوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اس لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں کہ اختیار بنیادی طور پر ربّ کا ہے اس لیے ربّ سے مدد مانگنا ضروری ہے اور ربّ العزت نے سکھایا بھی یہی ہے:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحہ)

''اے اللہ! آپ ہمیں سیدھے راستے پر چلا لیجیے''۔

سیدھے راستے پر چلنا تبھی ممکن ہے جب تعالیٰ اللہ چلانا چاہے لیکن سب سے پہلے اپنا ارادہ ضروری ہے اور ارادے کے لیے خیال، بار بار سوچنا حتیٰ کہ یہ یقین ہو جائے کہ یہی میرے لیے سب سے زیادہ مفید ہے۔ پھر جب پختہ ارادہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ توفیق عطا کر دیتے ہیں۔

ہم نے دیکھا کہ دل بدلتا ہے، پھر دل کی ادلتی بدلتی حالتوں کا جائزہ لیا اور پھر یہ کہ دل کے اندر آنے والے خیال کی وجہ سے ایک انسان کے اندر تبدیلی آتی ہے تو دل ثابت قدمی بھی اختیار کر سکتا ہے لیکن ثبات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، انسان کی مسلسل کوشش سے اللہ تعالیٰ انسان کو اس پر جما دیتے ہیں۔ نبی ﷺ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں ایمان لے آیا۔ میرے لیے جو سب سے زیادہ اہم کام ہے مجھے اس کی نصیحت کیجیے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ (صحیح مسلم:38)

''کہہ دو میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا پھر ثابت قدم ہو جاؤ''۔

ثابت قدمی تبھی ضروری ہے جب یقین نصیب ہو جائے، اعتقاد، اور انسان ارادہ کر

لے۔ باقی اللہ تعالیٰ کی مدد ضرور آتی ہے اگر ایک انسان کا دل اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہو جائے۔

دل بدلتا ہے تو زندگی بدلتی ہے۔ یہ بات اب کافی حد تک واضح ہوگئی ہے کہ تبدیلی کا آغاز انسان کے اندر سے ہوتا ہے۔ جب اندر تبدیلی کے آثار پیدا ہونے شروع ہو جائیں تو باہر سے کی جانے والی کوششیں مؤثر ثابت ہوتی ہیں۔ اندر قبولیت آتی ہے تو انسان اس تبدیلی کے لیے کوششیں کرتا ہے اور ہماری کوششوں کا محور و مرکز ہمارا اَخلاق ہے۔ اخلاق بدلنے کے لیے یہ پہلا بنیادی اور ابتدائی کام ہم نے کرلیا، انشاءاللہ تعالیٰ نضرۃ النعیم کے پارٹ ٹو[Part II] میں ہم اَخلاقِ حسنہ اور اَخلاقِ سیئہ کے حوالے سے دیکھیں گے کہ اچھی صفات کیسے اپنانا ہیں؟ اس کے عملی راستے کون سے ہیں جن کو اختیار کرنا ہے؟ اور بری صفات کون سی ہیں جن کو اپنے اندر سے کھرچ کر نکالنا ہے؟ اور ان کے لیے کیا عملی راستے اختیار کیے جا سکتے ہیں؟ انشاءاللہ تعالیٰ ہم بہت جلد اس کورس سے استفادہ کریں گے۔